347 مئی ۲۰۱۱ء

مدیرِ اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی
حفظہ اللہ

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

# مُحدِّث

۲ مسلم عرب؛ شورشوں اور یورشوں کی زد میں
۱۳ زوالِ اُمت کا سبب؛ ٹیکنالوجی یا ایمان ؟
۲۳ استاد شاگرد کے باہمی حقوق

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN
مجلس التحقیق الاسلامی

ماہنامہ محدث لاہور

## ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

**مُدیرِ اعلیٰ:** حافظ عبدالرحمٰن مدنی  **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

## گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

**فی شمارہ:** ۲۰روپے  **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔  **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

**فون نمبر:** 35866476 / 042 - 3586639  **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

## اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

---

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

---

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

---

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

---

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

---

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

مِلّتِ اِسلامیہ کا علمی و اِصلاحی مجلّہ

# ماہنامہ مُحدّث لاہور پاکستان

مُدیرِ اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مُدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
only for SMS
0333-4213525

جلد۴۳ ؍ شمارہ ۵ ---- جمادی الآخر ۱۴۳۲ھ ---- مئی ۲۰۱۱ء


**فکر و نظر**

| | | |
|---|---|---|
| مسلم عرب؛ شورشوں اور یورشوں کی زد میں | محمد عطاء اللہ صدیقی | ۲ |

**حدیث و سنت**

| | | |
|---|---|---|
| علم مختلف الحدیث؛ ایک تحقیقی مطالعہ | پروفیسر ظل ہما | ۱۰ |

**تعلیم و تعلم**

| | | |
|---|---|---|
| اُستاد شاگرد کے باہمی حقوق | مفتی عبدالولی خان | ۲۳ |

**مکارم اخلاق**

| | | |
|---|---|---|
| تکبر؛ ایک تجزیاتی مطالعہ | حافظ محمد زبیر | ۳۳ |

**اسلام اور خواتین**

| | | |
|---|---|---|
| خواتین کا معاشرتی کردار | پروفیسر عذرا شفیع | ۴۳ |

**عالم اسلام**

| | | |
|---|---|---|
| زوالِ امت کا سبب؛ ٹیکنالوجی یا ایمان؟ | محمد اقبال کیلانی | ۶۳ |
| لیبیا میں نیٹو حملہ کے مقاصد معاشی ہیں! | مقتدیٰ منصور | ۷۰ |
| دورِ جدید کے چنگیز و ہلاکو | ثروت جمال اصمعی | ۷۴ |
| مولانا خلیل احمد؛ حالات و خدمات | عبدالمجید فردوسی | ۷۷ |


Islamic Research Council

مدیر معاون
کامران طاہر
0302 4424736

زر سالانہ =/۲۰۰ روپے
فی شمارہ =/۲۰ روپے

بیرون ملک
زر سالانہ =/۲۰ ڈالر
فی شمارہ =/۲ ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No:984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن لاہور 54700
042-35866476
35866396
35839404

Email:
mkamrantahir@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

مُحدّث کتاب و سُنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

# مسلم عرب؛ شورشوں اور یورشوں کی زد میں

گذشتہ تین ماہ سے اسلامی عرب اور مشرقِ وسطیٰ عدیم النظیر شورشوں اور استعماری یورشوں کی زد میں ہے۔ مسلمانانِ عالم اس 'لحظہ لحظہ دگرگوں' صورت حال کے بارے میں سخت بھونچکائے ہوئے ہیں، ان کے لیے یہ بھونچال جیسی 'تبدیلی کی ہوائیں' ناقابل فہم ہیں۔ عوام تو رہے ایک طرف، ہمارے عالی دماغ دانشور بھی اس ہنگامہ خیز صورت حال کے پسِ پشت محرکات کے حقیقی اِدراک کے بارے میں قاصر معلوم ہوتے ہیں۔ ایک سیاسی زلزلہ ہے کہ جس کی لہریں تیونس سے اُٹھیں، بالآخر مصر، لیبیا، یمن، بحرین، شام اور اُردن میں نظام ہائے حیات کو تلپٹ کرتی اور تخت ہائے دیرینہ کو تاراج کرتی نظر آتی ہیں۔ حتیٰ کہ اس زلزلے کے جھٹکے مرکزِ اسلام 'سعودی عرب' کے مشرقی ساحلوں تک محسوس کئے جارہے ہیں۔ کوئی اسے 'عالم عرب میں انگڑائی' کا نام دے رہے ہیں، کسی کو عالم عرب میں 'عظیم جمہوری انقلاب' کی نوید صبح سنائی دے رہی ہے؛ کسی کو عوام کی اُمنگوں کو زبان مل جانے کا گمان ہونے لگا ہے۔ کسی کے خیال میں عالم عرب میں تاریخ اپنا انتقام لے رہی ہے۔ کوئی آزادی کی ہوائیں چلتے محسوس کررہا ہے۔ مگر ایسے بہت کم ہیں جو اس صورتِ حال کے پس پشت کارفرما حقیقی محرکات کی نشاندہی کررہے ہوں۔

ممکن ہے مذکورہ بالا آرا میں جزوی صداقت پائی جاتی ہو، مگر حالات کا گہرا تجزیہ کرنے والے صاحبانِ بصیرت ان 'بہارآفرین' مناظر کے پیچھے بادِ صرصر کے گرداب کی نشاندہی کررہے ہیں۔ وہ چیخ چیخ کر پکار رہے ہیں کہ یہ وہ سب کچھ نہیں ہے جو فریب خوردہ بصارتیں دیکھ رہیں اور یہ وہ بھی نہیں ہے جس کا ڈھنڈورا امریکی استعمار کے پروردہ ذرائع ابلاغ پیٹ رہے ہیں۔

سطح بین نگاہیں جو چاہے، ان مناظر کی تعبیر کریں مگر استعماری عزائم چھپائے نہیں چھپ

سکتے۔ مغربی استعمار ایک دفعہ پھر عالم اسلام پر فریب کے پردوں میں حملہ آور ہے۔ اس دفعہ وہ کچھ پرانے اور زیادہ تر نئے ہتھیاروں سے مسلّح ہے۔ جنگی جہازوں اور ہلاکت خیز میزائلوں کے ساتھ ساتھ اس دفعہ فیس بک، ٹویٹر، یوٹیوب کی صورت میں سوشل نیٹ ورک کے نہایت مؤثر ابلاغی ہتھیار مذکورہ عرب ممالک میں شورشوں کو ہوا دینے میں بے حد مؤثر کردار ادا کر رہے ہیں۔

ہمارے خیال میں تیونس، مصر، لیبیا اور یمن میں یہ آزادی کے ترانے گونجتے سنائی دیتے نہ آمر حکمرانوں کے تخت 'عوامی' شورشوں کے نتیجے میں لرزہ براندام نظر آتے، اگر امریکہ اور یورپی استعماری ریاستیں ان تحریکوں کی پشتیبان نہ ہوتیں اور عالمی استعمار ان تحریکوں کی سرپرستی کبھی نہ کرتا، اگر اس کے عظیم معاشی اور سیاسی مفادات ان سے وابستہ نہ ہوتے۔ اس وقت مشرقِ وسطیٰ میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے 'تہذیبوں کے تصادم' کے موضوع پر لکھے گئے استعماری ڈرامے کا پہلا ایکٹ کہا جاسکتا ہے۔

اس خوفناک ڈرامے کی تفصیلات ایک ضخیم کتاب کی متقاضی ہیں۔ تادمِ تحریر تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ امریکہ، فرانس، برطانیہ اور ان کی جارحانہ افواج کی لیبیا پر یورشوں کو پورا مہینہ گزر گیا ہے۔ ۱۴ مارچ کو امریکہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے لیبیا میں 'نوفلائی زون' کے قیام اور لیبیا کی عسکری قوت کو نشانہ بنانے کی قرارداد منظور کرانے میں بآسانی کامیاب ہوگیا۔ ۱۹ مارچ کو تمام دنیا کے ٹیلی ویژن نیٹ ورک ان استعماری اقوام کے بمبار جہازوں کو لیبیا میں غارت گری کرتے دکھا رہے تھے۔ پہلے ہی فضائی حملے میں لیبیا کے حکمران کرنل معمر قذافی کے شاہی محل کو تباہ کر دیا گیا۔ اس جارحانہ دہشت گردی میں اُس کے ایک نوجوان بیٹے کی ہلاکت کی خبر بھی نشر ہوئی۔ لیبیا کے شہروں بن غازی، مصراط، طرابلس وغیرہ کے ہوائی اڈوں پر بمباری کے ذریعے اُنہیں پروازوں کے لیے ناکارہ بنا دیا گیا۔ ۶/اپریل کو اخبارات میں خبر شائع ہوئی ہے کہ امریکہ نے دعویٰ کیا ہے کہ معمر قذافی کی ۲۵ فیصد فوجی طاقت کو تباہ کر دیا گیا ہے۔

امریکہ اور یورپی استعماری ممالک نے لیبیا پر حملہ برپا کیوں کیا ہے؟ کیا وہ لیبیا کے شہروں کے انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے آئے ہیں، جیسا کہ اُن کا دعویٰ ہے؟ کیا اُنہیں کرنل قذافی

کی آمرانہ حکومت کا خاتمہ مقصود ہے اور وہ لیبیا کے عوام کو جمہوریت کی 'برکتوں' سے مستفید ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں؟ کیا لیبیا میں ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ جن کی وجہ سے ایک آزاد اور خود مختار مسلمان ملک کی بین الاقوامی سرحدوں کو روندتے ہوئے اس پر حملہ کرنے کا جواز پیدا ہو گیا تھا؟ ان سب سوالات کا جواب نفی میں ہے۔

آیئے اس اہم سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں کہ عالمی استعمار نے لیبیا کو اپنی جارحیت کا نشانہ کیوں بنایا ہے؟ انگریزی اخبارات کے توسط سے ہمیں اس طرح کے اہم موضوعات پر عالمی ضمیر کے حقیقی ترجمان دانشوروں اور صحافیوں کی آرا کا علم ہوتا ہے۔ چند ایک نامور شخصیات اور عالمی اُمور کے ماہرین اور امریکی استعماری عزائم کے رازداں صحافیوں کی آرا اور تجزیے ملاحظہ فرمایئے:

① فیڈل کاسترو عرصہ دراز سے کیوبا کے حکمران چلے آتے ہیں۔ وہ کمیونزم کے فلسفہ کی بنیاد پر اقتدار میں آئے۔ امریکی سیاستدان فیڈل کاسترو کی شخصیت سے ہمیشہ مرعوب رہے ہیں۔ برطانیہ کے ایک مشہور اخبار Counter Punch میں ان کا مفصل مضمون شائع ہوا ہے۔ فیڈل کاسترو کہتے ہیں:

The US concern in Libya has never been about human rights.

"لیبیا میں انسانی حقوق کے بارے میں امریکہ کو کبھی تشویش نہیں رہی۔"

وہ مزید لکھتے ہیں:

"وہ فریبی جال جو سیکورٹی کونسل، جنیوا میں ہیومن رائٹس کونسل اور نیویارک میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں لیبیا کے خلاف بُنا گیا ہے، یہ خالصتاً ایک تھیٹر (ڈرامہ) تھا۔"

"میں ان تضادات کے شکار سیاسی راہنماؤں کے ردّعمل کو بخوبی سمجھتا ہوں، وہ اپنے مخصوص مفادات کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ سیکورٹی کونسل کے مستقل رکن کی حیثیت، ویٹو کا اختیار، نیوکلیئر ہتھیاروں کی موجودگی اور اسی طرح کے دیگر ادارے اور ذرائع ہیں جنہیں یہ طاقت کے ذریعے انسانیت پر مسلط کرتے ہیں۔ ہم ان سے اتفاق کریں یا نہ کریں، مگر ان اقدامات کو اخلاقی اور عادلانہ ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے۔"

”میرے خیال میں، جیسا کہ میں نے شروع ہی سے کہا ہے، ہمیں نیٹو (NATO) کے جنگی جنون پر مبنی تمام منصوبوں کی مذمت کرنی چاہیے۔“[1]

کیوبا کے عمر رسیدہ اشتراکی رہنما کے یہ خیالات امریکی استعمار کے خلاف عالمی ضمیر کی ترجمانی قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ یاد رہے کہ فیڈل کاسترو کا یہ مضمون لیبیا پر نیٹو کے حملوں سے تقریباً ایک ہفتہ قبل شائع ہوا۔

گذشتہ چند صدیوں کے دوران جب سے یورپ کو عالم اسلام پر سیاسی، معاشی اور عسکری غلبہ ملا ہے، اس نے اسلامی ریاستوں کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے بے حد مکروفریب اور شاطرانہ چال بازیوں سے کام لیا ہے۔ آپ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی یورپی استعمار (Imperialism) کا مطالعہ کیجئے، آپ حیران ہوں گے کہ وہ ایشیا اور افریقہ کے لوگوں کو غلام بنانے کے لیے اُنہیں 'مہذب' بنانے کا جواز پیش کرتے تھے۔ یہ مکروفریب مغربی استعمار کی ڈپلومیسی کا مستقل عنصر رہا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں امریکی صدر جارج بش نے عراق پر حملہ کرنے کے لیے صدر صدام حسین کے قبضے میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کو ختم کرنے کا فریب وضع کیا، بعد میں امریکیوں نے اس کے ساتھ ساتھ عراقی عوام کو 'جمہوریت اور آزادی' سے ہم کنار کرنے کو اپنا مقصد بنالیا اور آج تک نہایت ڈھٹائی سے یہی راگ الاپ رہے ہیں حالانکہ خود مغربی ذرائع ابلاغ نے ثابت کردیا کہ WMD (وسیع پیمانے پر تباہی کے ہتھیار) کا کوئی وجود نہیں تھا۔ کون نہیں جانتا کہ عراق پر قبضہ کرنے کے حقیقی عزائم اور مقاصد کیا تھے؟

② معروف عرب صحافی اور دانشور اعصام الامین کے الفاظ ہیں:

> But his real aim was to impose American hegemony and control over this strategic region with potential military bases.

”لیکن اس (جارج بش) کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ اس تزویراتی اہمیت کے علاقے میں امریکی

---

۱ ڈیلی ٹائمز: ۱۳/ مارچ ۲۰۱۱ء

اثر ورسوخ اور کنٹرول قائم کیا جائے جہاں فوجی اڈّے قائم کئے جاسکتے ہیں۔"

عالمی ذرائع ابلاغ میں سینکڑوں مضامین اور کالم شائع ہوئے جس میں اس جنگ کو 'تیل کے لیے جنگ' (War for Oil) کا نام دیا گیا تھا۔

اعصام الامین مزید لکھتے ہیں:

"لیبیا میں جاری مہم جوئی بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ لیبیا اگرچہ ۶۰ لاکھ آبادی کا ایک چھوٹا سا ملک ہے مگر اس میں ۴۲ بلین بیرل تیل (جو امریکہ میں ایسے ذخائر کا دُگنا ہے) اور 5ء1 ٹریلین کیوبک میٹر قدرتی گیس کے ثابت شدہ ذخائر پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح سلفر (Sulfur) کو لیجئے۔ دنیا میں اس کی صاف ترین اور سستی ترین سلفر لیبیا میں موجود ہے، اسے نکالنے کے لیے ایک ڈالر فی بیرل سے بھی کم خرچ آتا ہے۔ یورپ سے لیبیا کی جغرافیائی قربت کی وجہ سے اسے لے جانے کے اخراجات بھی سستے ترین ہیں۔"

مغربی استعمار نے لیبیا کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے کس قدر سُرعت اور برق رفتاری سے چند دنوں میں سارے مراحل طے کر لیے۔ میں اس برق باشی کو اعصام الدین کے الفاظ میں بیان کرنا چاہوں گا۔ وہ لکھتے ہیں:

"۱۷ فروری کو لیبیا کے عوام کی طرف سے معمر قذافی کے ۴۲ سالہ دورِ استبداد کے خلاف پُرامن احتجاج کے فوراً بعد امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی قیادت میں مغربی ممالک نے قذافی کو تنقید کا نشانہ بنایا، چند ہی دنوں میں اقوام متحدہ نے کئی قرار دادیں منظور کر لیں، لیبیا کے آمر، اس کے بیٹوں اور دیگر قرابت داروں کے اکاؤنٹس کو منجمد کر دیا گیا، نوفلائی زون قائم کر دیئے گئے اور دیگر فوجی اقدامات کا ان ممالک کو اختیار دے دیا گیا۔ مزعومہ مقصد کیا تھا؟ شہریوں کا تحفظ"[1]

ہم جانتے ہیں کہ مصر، یمن، بحرین، شام، مراکش اور تیونس میں بھی پُرتشدد احتجاج کرنے والوں پر گولیاں چلائی گئیں، ان ممالک میں بھی بہت سی اموات واقع ہوئی ہیں۔ بحرین میں تو امریکہ کا پانچواں بحری بیڑہ بھی موجود ہے، مگر وہاں امریکہ نے فوجی مداخلت

---

۱ روزنامہ Counter Punch بحوالہ ڈیلی ٹائمز ۲۶ مارچ ۲۰۱۱ء

نہیں کی۔ یمن میں صدر علی عبداللہ صالح کی فورسز نے عوام کو گولیوں کا نشانہ بنایا مگر ان ممالک میں امریکہ اور مغربی ممالک کا جواب اور ردّعمل بہت ہی کمزور رہا ہے تو پھر لیبیا کو اس 'خصوصی التفات' کا مستحق کیوں سمجھا گیا؟ اس کا سادہ سا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ لیبیا کے تیل اور گیس کے وسیع ذخائر استعماری ریاستوں کی یلغار کا حقیقی سبب ہیں۔

گذشتہ چند دہائیوں میں بے حد تواتر سے یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ ویت نام سے ہزیمت اُٹھانے کے بعد اب امریکی حکومت جس ملک پر جنگ مسلط کرنا چاہتی ہے، اس کے لیے اقوام متحدہ کی منظوری کا پردہ (Cover) استعمال کرتی ہے اور اسے خالصتاً امریکی جنگ کی بجائے 'اقوام عالم کی جنگ' بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے 'انسانی حقوق' اور 'انسانیت کے تحفظ' کے بلند بانگ دعوؤں کا ڈھول بھی خوب پیٹا جاتا ہے۔ امریکی جانتے ہیں کہ عراق اور افغانستان پر جارحیت کے بعد مسلمانانِ عالم ان سے کتنی نفرت کرتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ لیبیا میں اپنے خفیہ استعماری عزائم کی تکمیل کے لیے امریکہ کو کافی 'اخلاقی مسائل' کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس لیے وہ لیبیا پر حملے کے لیے ایک دفعہ پھر NATO کو گھسیٹ لائے ہیں اور اس جنگی تھیٹر میں رقصِ ابلیس کی قیادت کے لیے فرانس کو آگے لایا گیا ہے جہاں سرکوزی نام کا ایک انتہائی متعصّب شخص صدارت کے منصب پر براجمان ہے۔ لیبیا میں نو فلائی زون کا شوشہ بھی سب سے پہلے فرانسیسی صدر کے منہ سے چھوڑا گیا۔

③ پیپ ایسکوبار (Pepe Escobar) بہت معروف امریکی دانشور ہیں۔ وہ گلوبلائزیشن کے موضوع پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے حالیہ کالم کا عنوان ہے:

"Welcome to the new NATO quagmire"

''نیٹو کی نئی دلّالی کی طرف خوش آمدید!''

ایسکوبار نے اپنے کالم میں اپنے تئیں ایک خوبصورت لیکن درحقیقت دردناک جملہ تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"Libya now is official victim of the endless war club."

''اب لیبیا اس نہ ختم ہونے والے جنگی کلب کا سرکاری شکار ہے۔''

ایسکوبار نے نیٹو کے قیام کے مقاصد اور اس کی تازہ فوجی کارروائی پر تنقید کرتے لکھا ہے:

''نیٹو کے بارے میں سب کا خیال تھا کہ اس کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ کمیونسٹوں کے حملوں کے خلاف یورپ کا دفاع کیا جائے مگر اب لیبیا اس جنگی ملک کا نیا شکار بنا ہے۔''

NATO نے لیبیا کے آپریشن کو Odyssey Dawn (صبح کی اُڑان) کا نام دیا گیا ہے۔ ایسکو بار نے لیبیا پر حملے کو Coup de theatre (قبضہ تھیٹر) قرار دیا ہے۔ یاد رہے جب کوئی فوجی جرنیل کسی حکومت کا تختہ الٹتا ہے اُسے Coup de etat (فوجی قبضہ) کہا جاتا ہے۔ اُس نے اس حملے کی حقیقت بیان کرتے ہوئے تبصرہ کیا ہے:

''نیٹو تھیٹر کے بظاہر اجماعی حملے سے اصل حقیقت تبدیل نہیں ہوسکتی کہ یہ 'صبح کی اُڑان' درحقیقت ایک امریکی جنگ ہی ہے۔ ہاں وائٹ ہاؤس اسے 'محدود وقتی، محدود فوجی ایکشن' کہہ رہا ہے۔(Time limited scope, limited military action)

''فی الوقت تو یہ نیٹو کے جنرل کارٹر ہام (Carter Ham) کی قیادت میں ایک 'محدود وقتی' آپریشن ہے مگر کچھ دنوں میں یہ 'محدود وقتی' حملہ امریکی ایڈمرل جیمس سٹاروڈز James Starvidis کی کمانڈ میں دے دیا جائے گا جو نیٹو کے ٹاپ فوجی کمانڈر ہیں۔''

ایسکو بار نے فرانسیسی صدر کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اُسے 'نیا نپولین صدر' لکھا ہے۔ یاد رہے کہ ۱۸۸۸ء میں نپولین بوناپارٹ نے لیبیا اور مصر پر حملہ کیا تھا۔ فرانسیسی صدر کی خواہش تھی کہ فرانس کے میراج طیارے لیبیا پر حملہ کرنے والے جنگی جہازوں کی قیادت کریں۔ اُس کی اس 'نیک' خواہش کو نیٹو نے پذیرائی بخشی۔

④ مشرقِ وسطیٰ پر جب بھی حملہ کی بات ہوتی ہے، یورپی مسیحی اقوام میں اب بھی صلیبی جذبات جاگ اُٹھتے ہیں۔ واضح رہے کہ لیبیا حالیہ استعماری یورش میں عرب لیگ کا کردار بھی افسوس ناک ہے۔ عرب لیگ نے لیبیا پر نو فلائی زون کی نہ صرف حمایت کی ہے بلکہ قطر نے تو اپنے جہازوں کا ایک بیڑہ اس مقصد کے لیے ارسال کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ ترکی ایک مسلم ملک ہونے کے ساتھ ساتھ NATO کا رُکن بھی ہے مگر پیرس کا وہ اہم اجلاس جس میں لیبیا پر حملوں کی حکمتِ عملی کو آخری شکل دی گئی، اس میں ترکی کو دعوت نہیں دی گئی، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ترکی کے وزیراعظم طیب اردگان نے لیبیا میں نو فلائی زون کے قیام کی مخالفت کی تھی۔ طیب اردگان نے زور دیا کہ لیبیا میں نیٹو کے مشن کا

واحد مقصد ''لوگوں کا تحفظ، اقوام متحدہ کی طرف سے ہتھیاروں پر پابندی اور انسانی امداد کی فراہمی'' ہونے پر زور دیا تھا۔ استنبول میں ایک بہت بڑے عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ترک وزیر اعظم جناب طیب اردگان نے فرمایا:

''میری یہ خواہش ہے کہ وہ لوگ جو لیبیا میں صرف تیل، سونے کی کانیں اور زیر زمین قیمتی ذخائر کو ہی دیکھتے ہیں، وہ اس خطے کو ضمیر کے آئینے میں بھی ضرور دیکھیں۔''[1]

ایسکو بار نے ان مسلمان حکمرانوں کو "Clowns" (مسخرے) قرار دیا ہے جو کسی نہ کسی طریقے سے لیبیا پر نیٹو کی فوجی جارحیت کی حمایت کر رہے ہیں یا اس کی کھل کر مذمت نہیں کر رہے۔ حتیٰ کہ اُس نے ترکی کے وزیر اعظم کو بھی استثناء عطا نہیں کیا۔

(محمد عطاء اللہ صدیقی)

1 ڈیلی ٹائمز: ۲۶ مارچ ۲۰۱۱ء

ظل ہما احسن فاروقی ☆

# علم مختلف الحدیث؛ ایک تحقیقی مطالعہ

علومِ حدیث کی اقسام و انواع بہت زیادہ ہیں۔ متقدمین میں سے حاکم نیشاپوریؒ نے معرفة علوم الحديث میں ۵۲، ابن صلاحؒ نے مقدمة ابن الصلاح، امام نوویؒ نے التقريب في أصول الحديث اور ابن ملقنؒ نے المقنع في علوم الحديث میں ۶۵ اور امام جلال الدین سیوطیؒ نے ۹۳ علومِ حدیث ذکر کیے ہیں۔

علامہ سیوطیؒ سے ان کی بابت منقول ہے:

"اعلم أن أنواع علوم الحديث كثيرة لا تُعدّ"[1]

''علومِ حدیث کی انواع بہت زیادہ ہیں، جن کو گنا نہیں جا سکتا۔''

حازمیؒ اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

"علم الحديث يشمل على أنواع كثيرة تبلغ مائة، كل نوع منها علم مستقل، لو أنفق الطالب فيه عمره ما أدرك نهايته"[2]

''علم حدیث کی سو تک اقسام ہیں، ہر نوع ایک مستقل علم ہے اور اگر کوئی طالب علم اپنی پوری عمر ایک علم میں کھپا دے، تب بھی اس کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا۔''

انہی اَنواع میں سے ایک اہم نوع 'علم مختلف الحدیث' ہے۔ اس علم کا تعلق متن حدیث سے ہے۔ اس میں صرف ان اَحادیث کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے جو درجہ کے اعتبار سے مقبول ہوں اور جن میں تضاد اور تناقض کا پایا جانا صرف ظاہراً ہو، چنانچہ اَحادیث کے اس ظاہری تعارض کو رفع کرنے کے لیے اس علم کے مختلف اُصول وقواعد کو بروئے کار لاتے ہوئے باہم جمع وتطبیق سے کام لیا جاتا ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر ناسخ ومنسوخ یا وجوہاتِ ترجیح کے

---

☆ ایم فل علومِ اسلامیہ [۲۰۰۶-۲۰۰۸ء]، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب لاہور

① تدریب الراوی شرح تقریب النواوی از السیوطی، ص: ۲۲ ② ایضاً

ذریعے ان کا مفہوم متعین کیا جاتا ہے۔اُصولِ حدیث کی کتابوں میں اس علم کے لیے کچھ دوسرے نام بھی ملتے ہیں:مثلاً تلفیق الحدیث[۳]، اختلاف الحدیث[۴]، تاویل مختلف الحدیث[۵]، تأویل مشکل الحدیث[۶]، مناقضة الاحادیث وبیان محامل صحیحها[۷]، مشکل الحدیث[۸] اور تاویل الحدیث[۹] وغیرہ

## لغوی مفہوم

لغت میں لفظ 'مختلف' اختلاف اور التخالف سے ماخوذ ہے جو اتفاق کی ضد ہے۔

فیروز آبادی لکھتے ہیں:"واختلف: ضدّ اتفق"[۱۰]

ابن منظور لکھتے ہیں:

"تخالف الأمران، واختلفا: لم يتفقا، وكل ما لم يتساو فقد تخالف واختلف"[۱۱]

''دو معاملے آپس میں ایک دوسرے کے ناموافق ہو گئے اور مختلف ہو گئے یعنی متفق نہ ہو سکے، اسی طرح ہر وہ چیز جو برابر نہ ہو، تو وہ مختلف ہوتی ہے۔''

## اِصطلاحی مفہوم

اِصطلاح میں اس علم سے مراد دو ایسی مقبول احادیث ہیں جو بظاہر باہم متعارض ہوں، لیکن ان میں تطبیق ممکن ہو، چنانچہ ابنِ صلاحؒ لکھتے ہیں:

"أن يمكن الجمع بين الحديثين ولا يتعذر إبداء وجه ينفي تنافيهما، فيتعين حينئذ المصير إلى ذلك والقول بهما معًا"[۱۲]

''دو حدیثوں کے مابین جمع (یعنی تطبیق) ممکن ہو اور کسی ایسی وجہ کا ظاہر ہونا مشکل نہ ہو جو دونوں حدیثوں کی باہمی مخالفت کی نفی کر دے، تو ایسی صورت میں تطبیق دینا طے شدہ امر ہے اور فتویٰ ان دونوں پر مبنی ہوگا۔''

---

(۳،۹) مفتاح السنة،ص:۱۵۹،أبجد العلوم للقنوجي:۱۷۲/۲،أُصول الحديث علومه ومصطلحه از عجاج،ص:۲۸۳،الرسالة المستطرفة للكتاني،ص:۱۲۹

⑩ القاموس المحيط:۱۰۸۶/۲-۱۰۸۷ ⑪لسان العرب:۹۱/۹

⑫ مقدمہ ابن الصلاح،ص:۱۴۳

امام نوویؒ اس کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"أن ياتي حديثان متضادان في المعنى ظاهرًا، فيوفق بينهما أو يرجح أحدهما"[۱۳]

''ظاہری معنی کے اعتبار سے دو متعارض حدیثیں آ جاتی ہیں تو پھر ان دونوں کے درمیان تطبیق دی جاتی ہے یا دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے۔''

طیبیؒ، ابن ملقنؒ، محمد بن محمد علی فارسیؒ اور محمد بن علوی مالکی حسنیؒ نے بھی اس علم کی یہی تعریف کی ہے جب کہ قاضی محمد بن محمد شہبہؒ نے اس میں تھوڑا سا اِضافہ بھی کیا ہے۔[۱۴]

ابنِ حجرؒ اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فإن أمكن الجمع فهو مختلف الحديث"[۱۵]

''پس اگر (دو حدیثوں کا) جمع کرنا ممکن ہو تو وہ مختلف الحدیث ہے''۔

نواب صدیق حسن قنوجیؒ اس کی تعریف اور ایسی اَحادیث میں تطبیق کی وضاحت کرتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں:

"هو علم يبحث فيه عن التوفيق بين الأحاديث المتنافية ظاهرًا، إما بتخصص العام تارة أو بتقييد المطلق أخرٰى، أو بالحمل على تعدد الحادثة إلى غير ذلك من وجوه التاويل"[۱۶]

''یہ ایک ایسا علم ہے جس میں ظاہراً ایک دوسرے کے مخالف اَحادیث کے مابین تطبیق دینے کے بارے میں بحث کی جاتی ہے، کبھی عام کو خاص یا کبھی مطلق کو مقید کے ساتھ تطبیق دی جاتی ہے یا بسا اوقات کسی واقعہ کو کئی مرتبہ وقوع پذیر ہونے پر محمول کیا جاتا ہے یا پھر تاویل کی دیگر وجوہات میں سے کسی وجہ کے ذریعے تطبیق دی جاتی ہے۔''

عجاج خطیب اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

---

[۱۳] التقریب فن اصول الحدیث، ص:۲۳

[۱۴] الخلاصہ فی اصول الحدیث، ص:۵۹؛ المقنع فی علوم الحدیث:۲/۴۸۰؛ جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول، ص:۴۰؛ المنهل اللطيف في أصول الحديث الشريف، ص:۵۲

[۱۵] شرح نخبة الفكر، ص:۵۹

[۱۶] أبجد العلوم: ۲/۱۷

"هو العلم الذي يبحث في الأحاديث التي ظاهرها متعارض، فيزيل تعارضها أو يوفق بينها، كما يبحث في الأحاديث التي يشكل فهمها أو تصورها، فيدفع إشكالها ويوضح حقيقتها"[17]

''یہ وہ علم ہے جس میں بظاہر متعارض احادیث کے بارے میں بحث کی جاتی ہے، پس ان کے تعارض کو دور کیا جاتا ہے یا ان کے درمیان مطابقت پیدا کی جاتی ہے، علاوہ ازیں ان اَحادیث کے متعلق بحث کی جاتی ہے جن کا فہم وتصور مشکل ہوتا ہے پس یہ علم ان کے اشکال کو دور اور ان کی حقیقت واضح کرتا ہے۔''

عصر حاضر میں علوم الحدیث پر لکھنے والے معروف ڈاکٹر محمود طحان مختلف الحدیث کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:

"هو الحديث المقبول المعارض بمثله مع إمكان الجمع بينهما أي هو الحديث الصحيح أو الحسن الذى يجيء حديث آخر مثله في المرتبة والقوة ويناقضه في المعنىٰ ظاهرًا، ويمكن لأولي العلم والفهم ثاقب أن يجمعوا بين مدلوليهما بشكل مقبول"[18]

''ایسی مقبول حدیث جو اپنے جیسی کسی دوسری حدیث سے متعارض ہو، لیکن ان دونوں کو جمع کرنا ممکن ہو۔ یعنی وہ کوئی ایسی حدیث صحیح یا حسن ہو جو اپنے ہم مرتبہ کسی دوسری حدیث سے معنوی طور پر بظاہر متعارض نظر آتی ہو اور اہل علم وفہم کے لیے ممکن ہو کہ وہ دونوں کے مفاہیم میں ایسی صورت میں یکسانیت پیدا کریں جو قابل قبول ہو۔''

## ظاہر تعارض کی وضاحت

اِن تمام تعریفات میں اَحادیث کے باہمی تعارض کو ظاہر کے ساتھ اس لیے مشروط کیا گیا ہے کہ سنتِ نبویؐ میں حقیقی تعارض محال ہے، جیسا کہ ابوبکر باقلانیؒ فرماتے ہیں:

"وكل خبرين عُلِم أن النبي تكلّم بهما فلا يصح دخول التعارض فيهما على وجه، وإن كان ظاهرهما متعارضين"

''ہر وہ دو خبریں، جن کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ نبیؐ نے ان کو بیان فرمایا ہے تو ان میں کسی

---

[17] اُصول الحدیث، ص:۲۸۳ [18] تیسیر مصطلح الحدیث، ص:۵۵

صورت میں بھی تعارض نہیں ہوسکتا، اگرچہ ظاہراً وہ متعارض نظر آ رہی ہوں۔''

مزید فرماتے ہیں:

"متى عُلِم أن قولين ظاهرهما التعارض ونفي أحدهما لموجب الآخر أن يحمل النفي والإثبات على أنهما في زمانين أو فريقين أو على شخصين، أو على صفتين مختلفين هذا ما لابد منه مع العلم بإحالة مناقضته عليه السلام في شيء من تقرير الشرع والبلاغ"[19]

''جب یہ معلوم ہو جائے کہ دو قول جو کہ ظاہراً متعارض ہیں اور ان (دونوں) میں سے ایک کی نفی دوسرے کے وجود کو لازم ہے تو نفی اور اثبات کو اس طرح محمول کیا جائے گا کہ وہ دو (مختلف) زمانوں یا گروہوں یا دو شخصیات یا دو (الگ الگ) صفتوں کے بارے میں ہے اور اس کے ساتھ لازمی طور پر یہ علم ہونا ضروری ہے کہ شریعت و ابلاغ کی تشریح میں رسول اللہ ﷺ کی کسی بات میں تناقض کا پایا جانا محال ہے۔''

اسی طرح ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں:

"لا أعرف أنه روي عن النبي ﷺ حديثان بإسنادين صحيحين متضادان، فمن كان عنده فليأتني لأؤلف بينهما"[20]

''میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ سے دو اَحادیث صحیح سند کے ساتھ مروی ہوں (اور وہ) متضاد ہوں، جس کے پاس ہوں تو وہ میرے پاس لائے، میں ان کے درمیان تطبیق دیتا ہوں۔''

## شرائط مختلف الحدیث

بیان کردہ تمام تعریفوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کوئی حدیث اس وقت تک علوم حدیث کی اس قسم میں شمار نہیں کی جائے گی جب تک اس میں درج ذیل چار شرائط نہ پائی جائیں:

① حدیث مقبول ہو۔

② جس حدیث سے اختلاف ہے وہ دوسری حدیث ہو جو پہلی حدیث کے ساتھ ظاہراً متعارض ہو۔ ایسی اَحادیث اور آثار کو 'مختلف الحدیث' میں شمار نہ کیا جائے گا جن کا پہلا حصہ دوسری

---

⑲ الكفاية في علم الرواية، ص:۴۳۳

⑳ مقدمہ ابن الصلاح، ص:۱۴۳؛ الکفایہ، ص:۴۳۳، توجيه النظر إلى أصول الأثر، ص:۲۲۴

حدیث کے آخری حصہ سے یا آخری حصہ پہلے حصے سے متعارض ہو۔اس قسم کی اَحادیث کو 'مشکل الحدیث' میں شمار کیا جاتا ہے۔

③ متعارض حدیث قابلِ احتجاج ہو اگرچہ وہ رتبہ میں (صحیح اور حسن کے لحاظ سے) اپنے معارض کے برابر نہ بھی ہو۔

④ دو متضاد احادیث میں جمع وتطبیق ممکن ہو۔[۲۱]

## مختلف الحدیث کی اَقسام اور ان کے اَحکام

اس کی دو قسمیں ہیں:

**قسم اوّل اور اس کا حکم:** ایسی دو متعارض اَحادیث جن کے مابین تطبیق ممکن ہو۔ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے مابین تطبیق واجب ہے اور عمل ان دونوں پر کیا جائے گا۔

**قسم ثانی اور اس کا حکم:** وہ متعارض احادیث جن کے مابین جمع وتطبیق ناممکن نظر آ رہی ہو تو اس سے متعلقہ احکام یہ ہیں:

① جب دو متعارض احادیث میں جمع وتطبیق ناممکن ہو، لیکن یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک حدیث ناسخ ہے اور دوسری منسوخ تو منسوخ کو ترک کر کے ناسخ پر عمل کیا جائے گا۔

② اگر ناسخ ومنسوخ کا علم نہ ہو تو پھر ان متعارض احادیث کے مابین ترجیح کو اختیار کیا جائے گا۔

③ اگر وجہ ترجیح ظاہر نہ ہو تو ایسی صورت میں دونوں پر عمل کرنے سے توقف کیا جائے گا جب تک کسی ایک کے لیے وجہ ترجیح ظاہر نہ ہو جائے۔[۲۲]

## اہمیت

اس علم پر دسترس اور مکمل عبور کے بغیر مختلف اَحادیث کا مفہوم سمجھنا، متعین کرنا اور اس کی حکمتوں سے آگاہ ہونا انتہائی دشوار ہے اور کوئی بھی عالم وفقیہ صرف حدیث حفظ کر کے اور اس کے تمام طرق جمع کر کے 'محدث' نہیں کہلا سکتا جب تک کہ اسے اس علم کا اِدراک نہ ہو۔ چنانچہ

---

[۲۱] مختلف الحديث بين المحدّثين والاصوليين الفقهاء،ص:۲۶۔۲۷

[۲۲] مقدمہ ابن الصلاح، ص:۱۴۳؛ التقریب، ص:۲۳؛تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي،ص:۲۷۵۔۲۷۶؛المقنع فی علوم الحدیث:۴۸۱/۲۔۴۸۲

امام نوویؒ اس علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هذا من أهم الأنواع، ويضطر إلى معرفته جميع العلماء من الطوائف، ..... وإنما يكمل له الأئمة الجامعون بين الحديث والفقه، الأصوليون والغواصون على المعاني"[۲۳]

''یہ اہم ترین انواع میں سے ہے۔ ہر گروہ کے تمام علماء اس کی معرفت کے حصول میں مجبور ہیں ..... اور اس (علم) کو صرف (وہی) ائمہ مکمل کر سکتے ہیں جو حدیث اور فقہ کے جامع ہوں، اُصولی اور معانی کی تہہ تک پہنچنے والے ہوں۔''

محمد محمد ابوزہو اس علم کو ناگزیر قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"كل عالم بل كل مسلم يحتاج للوقوف عليه فإن بمعرفته يندفع التناقض عن كلام النبي ﷺ ويطمئن المكلف إلى أحكام الشرع"[۲۴]

''ہر عالم بلکہ ہر مسلمان اس علم سے واقفیت کا محتاج ہے، کیونکہ اس علم کی معرفت سے ہی نبیؐ کے کلام سے تناقض اور تعارض دور ہوتا ہے اور مکلّف شریعت کے اَحکام پر شرع کے بارے میں مطمئن ہو جاتا ہے۔''

عجاج خطیب نے اس کی اہمیت پر جامع انداز میں کلام فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"هذا العلم من أهم علوم الحديث يحتاج إليه المحدثون والفقهاء وغيرهم من العلماء ولا بد للمشتغل به من فهم ثاقب وعلم واسع، ودربة ودراية ..... وهذا العلم ثمرة من ثمار حفظ الحديث، وضبطه وفهمه فهمًا جديدًا ومعرفة عامه وخاصه ومطلقه ومقيده، وغير ذلك من أمور الدراية والخبرة، إذ لا يكفي للمرء أن يحفظ الحديث ويجمع طرقه ويضبط ألفاظه من غير أن يفهمه ويعرف حكمه"[۲۵]

''یہ علم، علوم حدیث میں سے اہم ترین ہے۔ محدثین، فقہا اور دیگر علما اس کے محتاج ہیں۔ اس فن سے منسلک آدمی کے لیے روشن فہم، وسیع علم، مہارت اور گہرا علم ضروری ہے..... اور یہ علم حفظِ حدیث کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے اور اس کا ضبط اور اچھا فہم اس کے عام، خاص،

---

[۲۳] التقريب، ص:۲۳ [۲۴] الحديث والمحدثون، ص:۴۷۱

[۲۵] اُصول الحدیث، ص:۲۸۳۔۲۸۴

مطلق اور مقید کی معرفت وغیرہ درایت اور مہارت کے اُمور میں سے ہیں۔ پھر آدمی کے لیے یہی کافی نہیں کہ وہ اس علم کے فہم اور حکم کی معرفت کے بغیر صرف حدیث حفظ کرے، اس کے طرق جمع کرے اور اس کے الفاظ ضبط کرے۔''

## آغاز و اِرتقا

اس علم کا آغاز عہد صحابہ سے ہی ہو گیا تھا، لیکن دوسرے علوم کی طرح اس عہد میں اس کے قواعد وضوابط متعین کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، البتہ علما نے بہت سارے اَحکام میں اجتہاد کیا، بظاہر باہم متعارض اَحادیث میں تطبیق دی اور ان کے مفاہیم کو واضح کیا۔ چنانچہ عجاج خطیب لکھتے ہیں:

"وقد اهتم علماء الأمة بعلم مختلف الحديث ومشكله منذ عصر الصحابة، الذين أصبحوا مرجع الأمة في جميع أمورها بعد وفاة الرسول فاجتهدوا في كثير من الأحكام، وجمعوا بين كثير من الأحاديث ووضحوها، وبيّنوا المراد منها، وتتالى العلماء جيلاً بعد جيلٍ، يوفقون بين الأحاديث التي ظاهرها التعارض ويزيلون اشكال ما يشكل منها"[۳۶]

''علماے اُمت نے علم مختلف الحدیث پر صحابہؓ کے دور ہی سے توجہ مرکوز کر دی تھی، حضوؐر کی وفات کے بعد وہ تمام اُمور میں اُمت کے مرجع الخلائق تھے۔ پس اُنہوں نے بہت سارے اَحکامات میں اجتہاد کیا، بہت ساری اَحادیث اکٹھی کیں، ان کی وضاحت کی، ان کے مفاہیم بیان کیے، ایک نسل کے بعد دوسری نسل کے علما پے در پے آئے، وہ باہم متعارض اَحادیث میں موافقت پیدا کرتے رہے اور ان کے اشکالات کو زائل کرتے رہے۔''

آغاز میں اس علم پر علیحدہ کتب لکھنے کا رواج نہیں تھا بلکہ علومِ حدیث کی کتب میں ہی اسے بیان کر دیا جاتا تھا جیسے امام حاکم نیشاپوریؒ نے معرفة علوم الحديث اور خطیب بغدادیؒ نے الكفاية في علم الرواية میں اس فن کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ اُنہوں نے اس کا وہ اصطلاحی نام ذکر نہیں کیا جو بعد میں مشہور ہوا۔ ان کے بعد ابن صلاحؒ نے اپنی معروف

---

[۳۶] اُصول الحدیث، ص: ۲۸۳۔۲۸۴

کتاب علوم الحدیث، المعروف بہ مقدمة ابن الصلاح میں اس علم کو علوم حدیث کی انواع میں سے ایک نوع قرار دیتے ہوئے اجمالی طور پر اس کے قواعد وضوابط بیان کیے۔ اسی طرح ابوزکریا یحییٰ بن شرف نوویؒ نے التقریب التیسیر میں، ابن کثیرؒ نے اختصار علوم الحدیث میں، ابن حجر عسقلانیؒ نے نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر میں اور ان کے بعد آنے والے علماے حدیث نے اپنی اپنی تصانیف میں اس فن کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ بعد ازاں علما نے اس فن میں مستقل تصانیف مرتب کیں۔ ان میں سے بعض نے اپنی کتب میں تمام مختلف اَحادیث کو جمع کیا اور بعض نے اپنی تصانیف کو ان اَحادیث کی تطبیق تک محدود رکھا اور ان کے اِشکالات کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مراد و مفاہیم کی بھی وضاحت کی۔ اس فن کے حوالے سے جو مستقل کتب لکھی گئیں، وہ درج ذیل ہیں:

① اختلاف الحدیث از محمد بن ادریس الشافعی (۲۰۴ھ)

② تاویل مختلف الحدیث از ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (۲۷۶ھ)

③ کتاب ابن خزیمہ از ابن خزیمہ (۳۱۱ھ)

④ مشکل الآثار از ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ طحاوی (۳۲۱ھ)

⑤ شرح معانی الآثار، ایضاً

⑥ مشکل الحدیث وبیانه ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک (۴۰۶ھ)

⑦ التحقیق في أحادیث الخلاف

ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن ابی الحسن بن علی بن محمد بن علی (۵۹۷ھ)[۲۴]

## علم مختلف الحدیث کی مثال اور تطبیق کے طریقوں کی وضاحت

کتبِ اَحادیث میں توہم پرستی کے حوالے سے کچھ صحیح اَحادیث ملتی ہیں جنہیں دیگر احادیث سے مختلف ہونے کی بنا پر اس علم کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً

---

[۲۴] مقدمہ ابن الصلاح، ص:۱۴۳؛ التقریب، ص:۲۳؛ شرح نخبۃ الفکر، ص:۶۵؛ الرسالة المستطرفه، ص:۱۳۰، توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار:۲/۴۲۶؛ اصول الحدیث: ص۲۸۴۔۲۸۶

"لا عدوٰی ولا طیرة ولاهامة ولاصفر"[۲۸]

''کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی اور نہ ہی بدشگونی کوئی چیز ہے۔''

"فرّ من المجزوم کما تفر من الأسد"[۲۹]

''کوڑھی سے ایسے بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو۔''

"لا یوردن ممرض علی مصح"[۳۰]

''بیمار اونٹ تندرست کے قریب نہ لایا جائے۔''

ان اَحادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہو رہا ہے یعنی ایک طرف تو حضور ﷺ بدشگونی اور توہم پرستی کی نفی فرما رہے ہیں کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی اور دوسری طرف اس کے برعکس بات بیان کی گئی ہے جس سے نہ صرف بیماری کے متعدی ہونے کا پتہ چلتا ہے بلکہ شگون لینا بھی درست معلوم ہوتا ہے۔اس صورتِ حال میں علماے حدیث بظاہر ان متضاد البیان اَحادیث کو اس علم کے ذریعہ سے مختلف طریقوں کے ساتھ تطبیق دیتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

**ابن صلاحؒ کی تطبیق:** مندرجہ بالا اَحادیث میں تطبیق کے حوالے سے ابن صلاحؒ نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ آنحضورؐ کا بیماری کو متعدی بتانا اس لیے نہیں کہ متعدی ہونا اس بیماری کی کوئی ذاتی صفت ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک فرد سے دوسرے فرد تک بیماری کے منتقل ہونے کا ایک قوی سبب مخالطت ہے جو کبھی واقع ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔لہٰذا اس سبب سے بچنے کے لیے آپؐ نے کوڑھی سے بھاگنے کا حکم دیا اور یہ اَسباب اللہ ہی کی مشیت ہیں تو گویا بیمار شخص یا اس کی بیماری فاعل حقیقی نہ ہوئے اور جہاں تک آپؐ کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی اور نہ ہی بدشگونی کوئی چیز ہے تو یہ ایک اُصولی بات ہے جو براہِ راست عقیدۂ توحید سے متعلق ہے یعنی اس میں بھی اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ فاعل حقیقی اور متصرف فی العالم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ابن صلاحؒ رقم طراز ہیں:

"أن هذه الأمراض لا تعدي بطبعها ولكن الله تبارك وتعالى جعل

---

[۲۸] صحیح بخاری:۵۷۵۷،صحیح مسلم:۲۲۲۰،۲۲۲۲

[۲۹] صحیح بخاری:۵۷۰۷ [۳۰] صحیح بخاری:۵۷۷۱

مخالطة المريض بها للصحيح سببًا لأعدائه مرضه ثم قد يتخلف ذلك عن سببه كما في سائر الأسباب ففي الحديث الأول نفٰى ﷺ ما كان يعتقده الجاهل من أن ذلك يعدي بطبعه ولهذا قال: «فمن أعدٰى الأول؟» وفي الثاني اعلم بأن الله سبحانه جعل ذلك سببًا لذلك وحذر من الضرر الذي يغلب وجوده عند وجوده بفعل الله سبحانه وتعالىٰ"[۳۱]

**ابن حجرؒ کا موقف اور تطبیق:** ابن حجرؒ نے آپؐ کے کسی بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کو مطلق اور عموم کے زمرے میں بیان کیا ہے اور کسی سبب کے باعث اس کے متعدی ہونے کی نفی بھی کی ہے اور اپنے موقف کی تقویت کے لیے انہوں نے آپؐ کے فرمان کہ "فمن أعدى الأوّل؟" کو بھی دلیل بنایا ہے یعنی آپؐ نے اس شخص کو یہ فرمایا جس نے آپؐ کے سامنے دوسرے اونٹ کے خارش زدہ ہونے کا ذکر کیا تھا، گویا آپؐ کے نزدیک کوئی بیماری متعدی نہیں ہوسکتی۔ جہاں تک مجذوم سے بھاگنے کے متعلق آپؐ کے فرمان کا تعلق ہے تو ابن حجرؒ نے اس بیان کو دو طرح سے احتیاط پر مبنی بتایا ہے۔ ایک یہ ہے کہ کوئی شخص بیماری کے متعدی ہونے کے عقیدہ کو اختیار نہ کرے اور دوسرا یہ کہ اس بداعتقادگی سے لوگوں میں تنگی اور حرج پیدا نہ ہو کہ وہ ایک دوسرے سے دور بھاگنے لگیں تو اسی سبب سے آپؐ نے جذامی سے دور رہنے کا حکم دیا۔

ابن حجرؒ کی رائے ملاحظہ ہو:

"أن نفيه ﷺ للعدوٰى باق على عمومه، وقد صح قوله ﷺ «لا يعدي شيء شيئًا» وقوله ﷺ لمن عارضه بأن البعير الأجرب يكون في الإبل الصحيحة فيخالطها فتجرب حيث رد عليه بقوله «فمن أعدى الاوّل» يعنى أن الله سبحانه وتعالى ابتدأ ذلك في الثاني كما ابتدأه في الأول وأما الأمر بالفرار من المجذوم فمن باب سدّ الذرائع، لئلا يتفق للشخص الذي يخالطه شيء من ذلك بتقدير الله تعالىٰ ابتداء لا بالعدوٰى المنفية، فيظن أن ذلك بسبب مخالطته فيعتقد صحة العدوىٰ فيقع فى الحرج، فأمر بتجنبه حسمًا للمادة.. والله أعلم"[۳۲]

---

[۳۱] مقدمہ ابن الصلاح، ص: ۱۴۳ [۳۲] شرح نخبة الفكر، ص: ۵۹-۶۰

**ابوبکر باقلانیؒ اور ابن بطالؒ کا مؤقف:** ابوبکر باقلانیؒ نے تطبیق میں استثنائی صورت اختیار کرتے ہوئے جذام اور اس جیسے دیگر امراض کو آپؐ کے ارشاد «لا عدوٰی» کے تحت شمار نہیں کیا بلکہ اس کو آپؐ کی طرف سے نفی کی ایک عام صورت قرار دیا ہے۔ ابوبکر باقلانیؒ رقمطراز ہیں:

"إن إثبات العدوٰى في الجذام ونحوه مخصوص من عموم نفي العدوى فيكون معنى قوله (لا عدوٰى) أى إلا من الجذام ونحوه، فكأنه قال لا يعدي شيءٌ إلا فيما تقدم تبنى له أنه يعدي"[۳۳]

ابن بطالؒ کا بھی یہی مؤقف ہے۔[۳۴]

**ضعیف موقف**

تطبیق کے حوالے سے ایک مؤقف یہ بھی ہے کہ آپؐ کا مجذوم سے فاصلہ پر رہنے کا ارشاد دراصل اسے احساسِ مرض اور احساسِ کمتری میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لیے ہے۔اس ضمن میں آپؐ کے ایک دوسرے ارشاد: «لا تديموا النظر المجذومين»[۳۵] کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے:

"أن الامر بالفرار رعاية لخاطر المجذوم لأنه إذا رأى الصحيح تعظم مصيبته وتزداد حسرته، ويؤيده حديث «لا تديموا النظر إلى المجذومين» فإنه محمول على هذا المعنىٰ"[۳۶]

لیکن یہ موقف ضعیف ہے، کیونکہ ہمیشہ تندرست انسان کی مصلحت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جیسا کہ احمد محمد شاکر اس موقف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وأضعفها المسلك الرابع كما هو ظاهر، لأن الأمر بالفرار ظاهر في تنفير الصحيح من القرب من المجذوم۔ فهو ينظر بمصلحة الصحيح أولاً، مع قوة التشبيه بالفرار من الأسد؛ لأنه لا يفر الانسان من الأسد

---

[۳۳] الباعث الحثيث،ص:۱۶۷،ألفية السيوطى في علم الحديث،ص:۱۸۰

[۳۴] فتح الباری:۳۰۹/۱۱ [۳۵] سنن ابن ماجہ:۳۵۴۳

[۳۶] الفية السيوطى،ص:۱۸۰،الباعث الحثيث،ص:۱۶۷، فتح الباری:۳۰۹/۱۱

رعاية لخاطر الاسد أيضًا"[۴۷]

## احمد شاکر کی رائے

احمد شاکر نے ابن صلاحؒ کے موقف کو قوی ترین قرار دیا ہے۔ان کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

"أقواها عندي المسلك الأول الذي اختاره ابن الصلاح، لأنه قد ثبت من العلوم الطبية الحديثة أن الأمراض المعدية تنتقل بواسطة المكروبات، ويحملها الهواء أو البصاق أو غير ذلك، على اختلاف أنواعها، وأن تأثيرها في الصحيح إنما يكون تبعًا لقوته وضعفه بالنسبة لكل نوع من الأنواع، وإن كثيرًا من الناس لديهم وقاية خلقية تمنع قبولهم لبعض الأمراض المعينة، ويختلف ذلك باختلاف الأشخاص والأحوال فاختلاط الصحيح بالمريض سبب لنقل المرض، وقد يتخلف هذا السبب كما قال ابن الصلاح رحمه الله"[۴۸]

''میرے نزدیک قوی ترین مسلک اوّل ہے جسے ابن صلاحؒ نے اختیار کیا ہے اس لیے کہ جدید سائنسی علوم سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ متعدی بیماریاں چھوٹے ذرات کے ذریعے منتقل ہوتی ہیں اور ان ذرات کو ہوا، تھوک اور اس طرح کی دوسری چیزیں منتقل کرتی ہیں۔ان ذروں کے مختلف ہونے کے سبب بیماریاں مختلف تاثیر رکھتی ہیں اور تندرست آدمی میں ان بیماریوں کی تاثیر ان کی قوت وضعف کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ بیماری کی تمام اقسام میں یہ بات ملحوظ ہوتی ہے اور یقیناً بہت سارے لوگوں میں طبعی طور پر بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت موجود ہوتی ہے جو نفس کو بعض معین بیماریوں کے اثرات قبول کرنے سے روکتی ہے یہ لوگوں اور حالات کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، پس تندرست آدمی کا مریض کے ساتھ اختلاط مرض کے منتقل ہونے کا سبب بنتا ہے اور بعض اوقات اختلاط مرض کے منتقل ہونے کا سبب نہیں بھی بنتا اور یہی ابن صلاحؒ کا موقف ہے۔''

---

[۴۷] الفية السيوطی، ص:۱۸۰

[۴۸] الباعث الحثيث، ص:۱۶۷

تعلیم و تعلّم

مفتی عبد الولی خان
دار السلام، لاہور

# اُستاد اور شاگرد کے باہمی حقوق

## قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ کی روشنی میں

تعلیم ایک ذریعہ ہے، اس کا مقصد اچھی سیرت سازی اور تربیت ہے۔ علم ایک روشن چراغ ہے جو انسان کو عمل کی منزل تک پہنچاتا ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم و تربیت شیوۂ پیغمبری ہے۔ اُستاد اور شاگرد تعلیمی نظام کے دو نہایت اہم عنصر ہیں۔ معلّم کی ذمہ داری صرف سکھانا ہی نہیں، سکھانے کے ساتھ ساتھ تربیت دینا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾[1]

''اور نبی ﷺ ان (لوگوں) کو کتاب و حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا تزکیہ و تربیت کرتے ہیں۔''

اس بنا پر یہ نہایت اہم اور مقدس فریضہ ہے، اسی اہمیت اور تقدس کے پیش نظر اُستاد اور شاگرد دونوں کی اپنی اپنی جگہ جداگانہ ذمہ داریاں ہیں۔ اُنہیں پورا کرنا ہر دو جانب کے فرائض میں شامل ہے۔ اگر ان ذمہ داریوں کو بطریق احسن پورا کیا جائے تو پھر تعلیم بلاشبہ ضامنِ ترقی ہوتی اور فوز و فلاح کے برگ و بار لاتی ہے۔

اس سلسلے میں کچھ حقوق استاد پر عائد ہوتے ہیں جبکہ بعض شاگرد پر؛ جن کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

### شاگرد پر اُستاد کے حقوق

① سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ طالب علم نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد مبارک کو

---

1 سورۃ البقرۃ:۱۲۹

مد نظر رکھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا»[1]

''وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی توقیر واحترام نہ کرے۔''

اس لیے شاگرد پر لازم ہے کہ وہ اُستاد کا احترام کرے اور اس کی ادنیٰ سی بے ادبی سے بھی اپنے آپ کو بچائے۔ استاد معلّم و مربی ہونے کے لحاظ سے باپ کے درجے میں ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ، أُعَلِّمُكُمْ»[2]

''میں تمہارے لیے بمنزلۂ والد ہوں، تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔''

چنانچہ روحانی ماں باپ کی تکریم و تعظیم کیجیے۔ اُستاد سے آمرانہ اسلوبِ گفتار سے پرہیز کریں، اس کے سامنے اَدب اور شائستگی سے بیٹھیں، اس کے سامنے اپنی آواز بلند نہ کریں۔

② طالب علم کو تکبر و بڑائی سے دور رہنا چاہیے، اپنے اندر عجز واِنکسار پیدا کرنا چاہیے۔ اَمیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ، وَتَعَلَّمُوا لَهُ السَّكِينَةَ وَالْوَقَارَ، وَتَوَاضَعُوا لِمَنْ تَتَعَلَّمُونَ مِنْهُ وَلِمَنْ تُعَلِّمُونَه، وَلاَ تَكُونُوا جَبَابِرَةَ الْعُلَمَاءِ[3]

''علم حاصل کرو۔ اس کے لئے سکینت و وقار بھی سیکھو۔ جن سے علم حاصل کرتے ہو اور جنھیں سکھاتے ہو اُن کے لیے تواضع اور عاجزی اختیار کرو۔ جبر کرنیوالے علامت بنو۔''

اَساتذہ کے ساتھ اَدب واحترام کا ایک سبق آموز واقعہ سیدنا عبد اللہ بن عباس کا ہے، جسے امام ابن عبد البر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں ذکر کیا ہے۔ نقل کرتے ہیں:

ایک دفعہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو قرآن کے حافظ اور کتاب و سنت کے بہت بڑے عالم تھے، نے ایک جنازہ پڑھایا۔ واپسی کے لیے سواری لائی گئی تاکہ آپ اس پر سوار ہو

---

۱ جامع ترمذی:۱۹۱۹

۲ سنن ابو داؤد:۸

۳ جامع بیان العلم وفضلہ:۱/ ۵۱۲

جائیں، عبداللہ بن عباس آگے بڑھے اور سواری کی رکاب تھام لی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی! آپ ایسا نہ کریں۔ ابن عباس نے فرمایا:

هٰكَذَا يُفْعَلُ بِالْعُلَمَاء وَالْكُبَرَاء[1]

''جی نہیں، میں یہ رکاب ضرور پکڑوں گا، کیونکہ علما اور بڑوں کا یہ حق ہے کہ ان سے ایسا ہی برتاؤ کیا جائے۔''

اُستاد کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ یہ امام شعبہ سے پوچھئے، فرماتے ہیں:

كُلُّ مَنْ سَمِعْتُ مِنْهُ حَدِيثًا، فَأَنَا لَه عَبْد[2]

''جس سے میں نے ایک حدیث پڑھی ہے، وہ میرا آقا اور میں اس کا غلام ہوں۔''

پس جب طالب علم اپنے اُستاد کا حد درجہ احترام کرے گا، تب ہی اسے علم کی بیش قیمت دولت حاصل ہوگی۔ اگر طالبِ علم بدخواہ اور بے ادب ہے تو علم سے محروم ہی رہے گا۔ ایک شاعر نے خوب کہا ہے:

إِنَّ الْمُعَلِّمَ وَالطَّبِيبَ كِلَاهُمَا

لَا يَنْصَحَانِ إِذَا هُمَا لَمْ يُكْرَمَا

فَاصْبِرْ لِدَائِكَ إِنْ أَهَنْتَ طَبِيبَه

وَاصْبِرْ لِجَهْلِكَ إِنْ جَفَوْتَ مُعَلِّمَا[3]

''معلّم اور طبیب کی جب تک توقیر و تعظیم نہ کی جائے وہ خیر خواہی نہیں کرتے۔ بیمار نے اگر طبیب کی توہین کر دی تو وہ اپنی بیماری پر صبر کرے اور اگر شاگرد نے اپنے استاد کے ساتھ بدتمیزی کی ہے تو وہ ہمیشہ جاہل ہی رہے گا۔''

③ طالبِ علم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اسباق میں غیر حاضری سے اجتناب کرے، ناغہ کرنے سے اس کے علم واستعداد میں کمی آئے گی۔ نتیجتاً لوگ اس کے استاد ہی کو موردِ

---

۱ جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/ ۵۱۴
۲ ایضاً: ۱/ ۵۱۲
۳ اَدب الدنیا والدین: ۱/ ۷۵

الزام ٹھہرائیں گے، چنانچہ اپنے اساتذہ کو الزام آنے سے بچانا بھی استاد کے حقوق میں سے ہے۔

④ پابندی سے حاضری کے علاوہ کلاس روم میں توجہ اور دھیان سے سبق سننا اور یاد کرنا طالب علم کی بڑی اہم ذمہ داری ہے۔ مزید برآں یہ اُس پر استاد کا حق ہے۔

⑤ اگر سبق سمجھ میں نہ آئے تو اُستاد سے پوچھ لینا طالبِ علم کی ذمہ داری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ»[1]

"یقیناً (علم کی) محتاجی کا علاج سوال کرنے میں ہے۔"

⑥ یہ بھی طالبِ علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ محترم استاد کو عام انسانوں کی طرح انسان ہی سمجھے جس سے غلطی کا سرزد ہونا عین ممکن ہے۔ اسکی درشتی اور سختی کو برداشت کرے۔ اسکی برائی سے اجتناب کرے، اسکے عیبوں کی پردہ پوشی کرے اور خوبیوں کو اُجاگر کرے۔

⑦ فضول اور وقت ضائع کرنے والے سوالات سے پرہیز کرے۔

⑧ طالبِ علم یہ بھی یاد رکھے کہ غلطی پر استاد کا خفا ہونا ایک فطری چیز ہے، لہٰذا طالب علم اُستاد کے غصے کو محسوس نہ کرے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ اُستاد کا میری غلطی پر ناراض ہونا خود میرے ہی لیے مفید ہے۔

ایک دفعہ معلّم انسانیت ﷺ لوگوں کو لمبی لمبی نمازیں پڑھانے کے باعث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر شدید ناراض ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُنہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

«أَفَتَّان يَا مُعَاذُ!»[2]

"اے معاذ! کیا تو لوگوں کو فتنے میں ڈالنے والا ہے؟"

اس حدیث پر امام بخاری نے صحیح بخاری میں بَابُ الْغَضَبِ فِي الْمَوْعِظَةِ وَالتَّعْلِيمِ إِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ "وعظ و تعلیم میں ناپسندیدہ بات دیکھنے پر غصے ہونا" کا باب

۱ سنن ابو داؤد: ۳۳۶
۲ سنن نسائی: ۹۹۸

قائم کیا ہے اور ناپسندیدہ عمل پر تنبیہ کو صحیح عمل قرار دیا ہے۔

پس اگر معلّم شاگرد کی کسی غلطی پر غصے میں آجائے تو یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ سعادت مند طالب علم کا فرض ہے کہ وہ اپنے مکرم اُستاد کی سخت باتیں بھی چپ چاپ ادب کے ساتھ سن لے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرے۔

## اُستاد پر شاگرد کے حقوق

① نرمی و نوازش کا سلوک کیجیے: اُستاد کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے نبی کریم ﷺ کی سیرت کو اُسوہ بنا کر اپنے شاگردوں سے نرمی اور شفقت کا برتاؤ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾[1]

''اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم ہوگئے اور اگر آپ درشت اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بکھر جاتے۔''

لہٰذا اُستاد شاگردوں کے لیے نرمی کا پہلو اختیار کرے، اور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد مبارک کو بھی پیش نظر رکھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا»[2]

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی توقیر و تعظیم نہ کرے۔''

اس بنا پر اُستاد کو چاہیے کہ اپنے شاگردوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھے، اگر ان سے کوئی نامناسب حرکت ہو جائے تو درگزر کرے، ان سے وقار اور بردباری کے ساتھ پیش آئے۔

② زبان کی حفاظت کیجیے: اُستاد کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری زبان کی حفاظت

---

۱ آلِ عمران:۱۵۹

۲ جامع ترمذی:۱۹۱۹

ہے۔ زبان کی حفاظت نہایت ضروری ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ زبان کی حفاظت کرے اور اسے ناجائز اور نامناسب باتوں سے بچائے رکھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ»[1]

''جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ بھلائی اور خیر کی بات کہے، ورنہ خاموش رہے۔''

چونکہ اُستاد اپنے شاگردوں کے لیے نمونہ ہوتا ہے، اس لیے اسے چاہیے کہ اپنی گفتگو کو محتاط اور متوازن بنائے، لچرپن اور بے ہودگی سے بوجھل الفاظ سے پرہیز کرے۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے زبان کی بے اِعتدالی کے نقصانات کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

«إن العبد لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يَتَبَيَّنُ فِيهَا يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مَا بَيْنَ الْمُشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ»[2]

''یقیناً بندہ ایک بات کرتا ہے، اس پر غور و فکر نہیں کرتا۔ وہ اس بات کی وجہ سے مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ جہنم کی آگ کی طرف گر جاتا ہے۔''

بعض دفعہ انسان کی زبان سے ایسا کلمۂ شر اَدا ہو جاتا ہے کہ اسے اس کی تباہ کاری کا اندازہ ہی نہیں ہوتا۔ کبھی اس کی کوئی بات کسی کی دل آزاری یا گمراہی یا ظلم و معصیت کا سبب بن جاتی ہے، جس کی وجہ سے یہ انسان تباہی کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔

لہٰذا اُستاد و شاگرد دونوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ زبان کی حفاظت کریں اور زبان کے ذریعے سے جن گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، ان سے اپنے دامنِ تعلیم و تعلّم کو بچائیں۔

③ سچ کی تعلیم دیجیے اور جھوٹ سے نفرت سکھائیے: جھوٹ ایسا معاشرتی ناسور ہے جو بہت سے گناہوں کا پیش خیمہ ہے، لہٰذا معلّم و متعلّم اس سے بچیں۔ سچائی کی صفت ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، لیکن معلم کے لیے بے حد ضروری ہے۔ جس طرح زندہ انسان کے لیے غذا کے بغیر گزارہ مشکل ہے، اسی طرح استاد سچائی کے بغیر ایک لمحہ بھی اپنی

---

۱ صحیح بخاری: ۶۰۱۸

۲ ایضاً: ۶۴۷۷، صحیح مسلم: ۲۹۸۸

جگہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر اُستاد جھوٹ کا سہارا لے گا تو سب سے بڑا نقصان تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ شاگردوں کے دلوں میں استاد اور اس کے بیان کردہ یا تحریر کردہ مضمون کی وقعت ختم یا کم ہو جائے گی۔ اس سے پوری اُمت کو اجتماعی نقصان پہنچتا ہے۔ بعض اوقات شاگرد کا دل اس طرح ٹوٹ جاتا ہے کہ وہ دوسرے اساتذہ سے بھی بدظن ہو جاتا ہے۔

استاد کو بدزبانی سے بھی محتاط رہنا چاہیے۔ درس گاہ میں اور درس گاہ سے باہر بھی طالبانِ علم سے گفتگو کرتے ہوئے شائستہ لہجہ اختیار کرنا چاہیے۔ بعض اساتذہ اپنے شاگردوں کو او موٹے! اے چشمے والے! اے زلفوں والے اور اوئے کالے وغیرہ جیسے الفاظ سے پکارتے ہیں۔ اس طرح اُس کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ نہایت مذموم طریقہ ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس عمل سے منع فرمایا ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾[1]

"اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا تمسخر نہ اڑائے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کا مذاق اُڑائے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور اپنے آپ پر عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں سے پکارو۔ ایمان کے بعد فسق کے نام سے ملقب کرنا برا ہے۔ اور جس نے توبہ نہ کی تو وہی لوگ ظالم ہیں۔"

اس سلسلے میں یہی طریقہ مفید ہے کہ پڑھائی کے دوران استاد اپنے شاگرد کو اس کے نام یا کنیت سے مخاطب کرے۔ طلبہ کو نام سے مخاطب کرنے سے ان میں سبق کی طرف توجہ بڑھ جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو جو آپ ﷺ کے اوّلین شاگرد تھے، نام لے کر مخاطب فرماتے تھے۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

---

1 الحجرات:11

«يَا أَبَا سَعِيدٍ! مَنْ رَضِيَ بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ»[1]

"اے ابو سعید! جو شخص اللہ کے ربّ ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد (ﷺ) کے نبی ہونے پر راضی ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہے۔"

اسی طرح غیبت اور زبان کے دوسرے گناہوں سے بھی اجتناب کیا جائے۔

④ علم سے آراستہ کرنے کا جذبہ پیدا کیجیے: استاد پر لازم ہے کہ وہ طالبانِ علم کو علم سے آگاہ کرنے میں بخل سے کام نہ لے، علم و دانائی کے بارے میں کچھ پوچھا جائے تو ضرور بتائے ورنہ گناہ گار ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَه ثُمَّ كَتَمَه أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ»[2]

"جس سے اس علم کے بارے میں پوچھا جائے جو اسے حاصل ہے، پھر وہ اسے چھپائے (اور نہ بتائے) قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔"

علم رسانی کے سلسلے میں صرف جذبہ کافی نہیں بلکہ اس کے لیے چند مزید بنیادی باتیں ضروری ہیں۔ اُستاد کے لیے ضروری ہے کہ اسے جو سبق اور جو مضمون پڑھانا ہو، اس پر اسے کامل عبور حاصل ہو، اس کے بارے میں طالبِ علم کے ذہن میں جو بھی اشکال یا سوال آسکتا ہو، اس کا حل اس کے پاس موجود ہو۔ یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب معلّم نے متعلقہ مضمون کا بھرپور مطالعہ اور تیاری کی ہو۔ طالبِ علم استاد کے پاس امانت ہیں، لہٰذا مضمون کی بھرپور تیاری نہ کرنا امانت میں خیانت ہے۔ بخوبی مطالعہ کے بعد اُستاد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اظہار مافی الضمیر اور مناسب اندازِ تعبیر پر قدرت حاصل ہو، یعنی جس مضمون کا اس نے مطالعہ کیا ہے، اُسے خوبصورت اسلوب اور دل نشین انداز میں طلبہ کے سامنے بیان کر سکے۔ اظہار مافی الضمیر کی صلاحیت سے مراد خطیبانہ انداز قطعاً نہیں ہے جو وعظ کی محفلوں،

---

۱ صحیح مسلم: ۱۸۸۴

۲ جامع ترمذی: ۲۶۴۹

جلسوں اور جمعہ کے خطبوں میں اختیار کیا جاتا ہے، نہ اس سے ادیبانہ اُسلوب مراد ہے جس میں مترادفات، تکرار اور تشبیہات کی بھرمار ہوتی ہے بلکہ اس سے مراد وہ عام فہم اُسلوب ہے جو علمی مضامین کی تفہیم میں بروئے کار آتا ہے۔

اسی طرح عمدہ تدریس کے لیے نظم وترتیب بھی بہت ضروری ہے۔ مطلب یہ کہ آپ اپنا حاصل مطالعہ کیسے مرتب اور متوازن انداز میں پیش کریں جس سے سامع اور شاگرد کو فائدہ پہنچے۔ علاوہ ازیں شاگردوں کے معیار اور ذہنی سطح کی رعایت بھی بہت ضروری ہے۔

⑤ اُستاد کو چاہیے کہ سبق پڑھاتے وقت ایسی تقریر نہ کرے جو طالبِ علم کے فہم اور استعداد سے بالاتر ہو۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں:

حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ، أَتُرِيدُونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللهُ وَرَسُولُه؟

''لوگوں سے ان کی سمجھ اور استعداد کے مطابق حدیثیں بیان کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی تکذیب کر دی جائے؟''[1]

⑥ طالب علم کی حوصلہ افزائی فرمایئے: اُستاد کو چاہیے کہ اچھی تعلیمی کارگزاری اور درست جوابات دینے پر اپنے شاگردوں کی حوصلہ افزائی کرے اور ان کی ہمت بڑھائے۔

ایک دفعہ نبی ﷺ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تجھے معلوم ہے کہ کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کونسی ہے؟ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: آیت الکرسی۔ نبی ﷺ نے خوش ہو کر اُن کے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: «لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ، أَبَا الْمُنْذِرِ»[2]

''ابو منذر! تجھے علم مبارک ہو۔''

⑦ اُستاد کو طالب علم کے حق میں دعا کرنی چاہیے: اُستاد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے حق میں خیر وبرکت اور توفیق ودانائی کی دعا کرتا رہے۔

عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ قضائے حاجت کے لیے بیت

---

۱ صحیح بخاری تعلیقًا: ۱۲۷

۲ صحیح مسلم: ۸۱۰

الخلا گئے۔ میں نے آپ ﷺ کے لئے وضو کا پانی لا کر رکھ دیا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو دریافت فرمایا: پانی کس نے رکھا ہے؟ جب آپ کو بتایا گیا تو آپ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ»[1]

''اے اللہ اسے دین کی گہری سمجھ دے۔ اللہ! اسے کتاب (قرآن) کا علم عطا کر دے۔''

⑧ طالب علم جواب نہ دے سکے تو استاد کو بتا دینا چاہیے: جب اُستاد کلاس روم میں شاگردوں سے سوالات پوچھے اور طالب علم درست جوابات دیں تو ان کی حوصلہ افزائی کرے اور شاباش دے۔ اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو پھر اُستاد خود صحیح جواب بتا دے۔

عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ درختوں میں ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور اس کی مثال مسلمان کی طرح ہے، وہ درخت کونسا ہے؟ اس سوال پر لوگ جنگل کے مختلف درختوں (کی بحث) میں پڑ گئے، جب کوئی جواب بن نہ پڑا تو انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہی ہمیں بتا دیں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے۔''[2]

اس حدیث مبارکہ کی رو سے اساتذۂ کرام کو بھی طلبائے عزیز کے صحیح جواب نہ دینے کی صورت میں از خود صحیح بات بتا دینی چاہیے۔

جامعہ لاہور الاسلامیہ Lahore Islamic University کے

مجلہ رُشد کے 'قراءات نمبر' کے تینوں شمارے

جامعہ کی ویب سائٹ www.kitabosunnat.com پر مطالعہ کیا جاسکتے ہیں

اور اس کے تمام مضامین بھی ڈاؤن لوڈ کرنا ممکن ہے!

---

۱ صحیح بخاری: ۱۴۳

۲ صحیح بخاری: ۱۳۱، ۶۲

مکارمِ اخلاق

حافظ محمد زبیر

# تکبّر: ایک تجزیاتی مطالعہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کے ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کے لیے شریعتِ اسلامیہ اور انبیاء ورسل کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ باطن کی نسبت ظاہر پر توجہ زیادہ دیتی ہے اور باطن کی اصلاح کی بجائے ظاہر شریعت پر عمل ہی کو کل دین سمجھ لیتی ہے۔ سابقہ مسلمان اقوام مثلاً یہود پر بھی ایک زمانہ ایسا آیا کہ وہ موسوی شریعت کے ظاہر میں اس قدر اُلجھے کہ اپنی باطنی اصلاح سے کلی طور پر غافل ہو گئے۔ اس زمانہ میں اُن میں تورات کے بڑے بڑے فقہا اور علما تو موجود تھے اور ظاہر شریعت پر عمل بھی خوب ہو رہا تھا لیکن منکسر مزاجی، تواضع، انکساری، نرم دلی، خدا خوفی، للّٰہیت، خشیت، تقویٰ اور تقرب الی اللہ جیسے اوصافِ حسنہ مفقود تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی باطنی اصلاح اور تزکیہ کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاصر انجیل میں موجود خطبات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے علمائے یہود کو اپنے باطن کی اصلاح اور تزکیہ نہ کرنے کی وجہ سے شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔

خیرُ القرون کے بعد اُمتِ مسلمہ کی اکثریت میں بھی باطن کی اصلاح یا تزکیۂ نفس کی نسبت ظاہر شریعت یعنی فقہی مسائل اور ان پر عمل کی طرف توجہ زیادہ رہی ہے جس کی وجہ سے دین کا یہ اہم گوشہ نظر انداز ہوتا رہا ہے۔ کچھ طبقات نے اگر ہر دور میں اصلاحِ باطن کی طرف 'تصوف' کے نام سے توجہ دی بھی تو اس میں اصلاح کے شرعی منہج اور طریقہ کار کو نظر انداز کیا گیا اور اپنے ذاتی مشاہدات و تجربات کو اصلاحِ باطن اور تزکیہ کے نبوی طریق کار پر ترجیح دی گئی اور اس طرح تصوف ایک مستقل دین بن کر سامنے آگیا۔

اصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفس کا ایک اہم موضوع رذائل سے اپنے نفس اور باطن کو پاک

کرنا ہے۔ رذائلِ انسانیہ میں سے ایک اہم تروصف تکبر ہے۔ تکبر سے ملتے جلتے کئی ایک رذائل کی کتاب وسنت میں نشاندہی کی گئی ہے جو درج ذیل ہیں:

| | |
|---|---|
| کبر | عجب |
| حب جاہ | حب تفوق |
| ریا | تکبّر |

تکبر کا معنیٰ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر جاننا ہے۔ کتاب وسنت میں تکبر کرنے والے کے لیے 'متکبر' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ متکبرین کے بارے نصوص میں بہت شدید وعید آئی ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

«لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر »[1]

''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہو گا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی اپنی بڑائی ہو۔''

تکبر کے بارے اس مضمون میں ہم نے تکبر کی حرمت اور شناعت پر نصوص کی کثرت نقل کرنے کی بجائے صالحین اور اہل علم کے اقوال کی روشنی میں اس باطنی مرض کا ایک تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اس مرض کی تشخیص اور پہچان عام ہو سکے۔

## تکبر کی اقسام

اہل علم نے تکبر کی تین بڑی اقسام بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

① اللہ پر تکبر کرنا یعنی اللہ کے مقابلے میں اکڑنا جیسا کہ فرعون نے اس تکبر کا اظہار کیا تھا اور اپنے آپ کو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا لقب دیا۔ تکبر کی یہ قسم دہریت کا لازمہ ہے۔ دہریہ یعنی اللہ کا منکر تکبر کی اس قسم میں لازماً مبتلا ہوتا ہے۔ عموماً دہریوں کی زبان سے یہ الفاظ سننے میں آتے ہیں کہ ہم نے اہل مذہب کے خدا کو اس دنیا سے نکال دیا ہے۔ یہ تکبر کی بدترین صورت ہے۔ جو مسلمان یا آسمانی مذاہب کے قائلین اللہ کے وجود کے

---

[1] صحیح مسلم: ۹۱

بارے مشکوک ہو جاتے ہیں یا کسی وہم کا شکار ہو جاتے ہیں، وہ بھی اس تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ایسے پریشان خیالوں کی زبان پر آپ اکثر یہ جملے نوٹ کریں گے کہ پتہ نہیں خدا ہے بھی یا نہیں؟ اگلی دنیا میں جزاوسزا ہے بھی یا نہیں؟ ہم نہ تو خدا کا اقرار کرتے ہیں اور نہ ہی انکار.... وغیرہ

۲ اللہ کے رسول ﷺ پر تکبر کرنا یعنی حق کے معاملہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کرنا اور اکڑ جانا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے آپ سے سوال کیا کہ کیا اچھے کپڑے یا نیا جوتا پہنا بھی تکبر میں داخل ہے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے اور جہاں تکبر کا معاملہ ہے تو وہ یہ ہے:

«الکبر بطر الحق وغمط الناس»[1]

''تکبر تو حق بات کو جھٹلا دینا ہے اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔''

تکبر کی اس قسم میں اعتقادی منافقین اور منکرین حدیث مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے حضرات کی زبانوں سے ایسے جملے بکثرت سننے کو ملیں گے کہ محمد ﷺ بھی تو ہمارے جیسے انسان ہیں تو ان کی اتباع واطاعت کیوں؟ یا ہم بھی اللہ کی کلام کو ایسے ہی سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ محمد ﷺ نے سمجھا ہے یا محمد ﷺ کی قرآنی تفسیر وتشریحات تو عرب کے غیر متمدن معاشرے کے لیے تھیں نہ کہ ہماری آج کی متمدن اور مہذب دنیا کے لیے یا محمد ﷺ کو قرآن سمجھنے کا جتنا حق حاصل تھا، اتنا ہمیں بھی حاصل ہے...وغیرہ

۳ اللہ کے بندوں پر تکبر کرنا یعنی کسی بھی وصف کے اعتبار سے دوسرے انسانوں کی نسبت اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور اُنہیں حقیر جاننا۔ صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت میں 'غمط الناس' کا معنی بعض اہل علم یہ بیان کیا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی کسی نعمت میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو اس نعمت میں حقیر جاننا غمط الناس ہے جسے آپ نے تکبر کہا ہے۔ انسانوں میں تکبر کی سب سے عام قسم یہی ہے۔

---

۱ صحیح مسلم:۹۱

## اللہ کے بندوں پر تکبر کی صورتیں

اسلامی معاشروں میں تکبر کی اس قسم کی بے شمار صورتیں پائی جاتی ہیں جن میں چند ایک کی ہم نشاندہی کر رہے ہیں:

① مال کے ذریعے تکبر کرنا جو بادشاہوں، تاجروں اور مالداروں میں ہوتا ہے۔ اس صورت میں ایک مالدار شخص مال کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ جو مالدار بھی غریب کو حقیر جانے یعنی اس کے پاس بیٹھنے یا اس کے ساتھ کھانے یا اس کے ساتھ چلنے یا اس سے گفتگو کرنے یا اس کے گھر جانے یا اس کے محلے میں جانے یا اس کے ساتھ دوستی کرنے میں ہچکچاہٹ اور حجاب محسوس کرے تو بلاشبہ وہ اس تکبر میں مبتلا ہے۔ عموماً مالدار دین دار گھرانوں میں بھی یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ وہ اس تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایک دینی ادارے میں حفظ کی کلاس سے ایک مالدار دینی رجحان رکھنے والے خاندان نے اپنے بچے اس لیے اُٹھا لیے کہ اس ادارے میں ان کے ملازمین کے بچے بھی ساتھ ہی حفظ کر رہے تھے۔ عام طور پر اس کا بہانا یہ بنایا جاتا ہے کہ غربا کے بچوں میں تہذیب نہیں ہوتی حالانکہ اُمرا کے بچے جس قدر مہذب ہوتے ہیں، اس کا ایک جائزہ بھی انگلش میڈیم سکول کے بچوں کی چال چلن کی رپورٹوں سے خوب لگایا جا سکتا ہے۔ اصل میں یہ تکبر ہے جس کی وجہ سے اُمرا اپنے بچوں کو اپنے ملازمین یا غربا کے بچوں کے ساتھ پڑھانے میں حجاب محسوس کرتے ہیں ورنہ تو بچے سبھی فطرتِ سلیمہ پر ہوتے ہیں جسے دینی ماحول مل جائے، اس کی تربیت ہو جاتی ہے اور جسے نہ ملے وہ چاہے غریب کا بچہ ہو یا امیر کا، بگڑ جاتا ہے۔

② جمال کے ذریعے تکبر کرنا جیسا کہ عموماً عورتوں میں ہوتا ہے۔ جب کوئی خاتون اللہ کی طرف سے عطا کیے گئے حسن پر اِترائے اور دوسری خواتین کو اپنے سے کم تر سمجھے تو وہ تکبر کی اس قسم میں بلاشبہ مبتلا ہو چکی ہے۔ اس صورت میں حسین خاتون دوسری خواتین کے خدوخال یا رنگت یا پہننے اوڑھنے کے سلیقہ پر منفی تبصرے کرتی نظر آتی ہے

کہ فلاں کو تو پہننے کا ڈھنگ ہی نہیں ہے یا فلاں اپنی شکل و صورت میں بہت ہی سادی ہے یا فلاں کے چہرے پر تو مسکینی ہی چھائی رہتی ہے یا فلاں سٹائلش نہیں ہے۔ ایسے تمام تبصروں سے اگر تو حسین عورت کا مقصود اپنے آپ کو دوسری خواتین کے بالمقابل برتر سمجھنا یا ثابت کرنا ہو تو یہ تکبر ہے۔ اور اگر اس کے دل میں ان تبصروں کے وقت اپنے حسن کی بڑائی موجود نہ ہو تو یہ غیبت ہے جو تکبر ہی کی طرح حرام ہے، اگرچہ حرمت میں اس کا گناہ تکبر سے کم ہے۔

③ اپنے پیروکاروں کی کثرت کے ذریعے تکبر کرنا جیسا کہ علما یا صوفیا یا گدی نشینوں یا خطبا یا واعظین یا مذہبی و سیاسی جماعتوں یا انقلابی تحریکوں کے قائدین میں ہوتا ہے۔ تکبر کی اس صورت میں ایک شخص اپنے متبعین یا متاثرین کی کثرت کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ مثلاً جب کوئی بڑا خطیب یا مشہور واعظ دوسرے خطبا و واعظین پر یہ تبصرہ کرے کہ اُنہیں تو منبر پر کھڑا ہونا ہی نہیں آتا یا انہیں تو پتہ ہی نہیں تقریر کیسے کرتے ہیں؟ یا فلاں خطیب تو بس جمعہ ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں وغیرہ تو یہ خطیب اور واعظ بھی بلاشبہ تکبر کے مرض میں مبتلا ہو چکا ہے۔
بعض اوقات متبعین اور متاثرین بھی اس تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں مثلاً کسی جماعت یا تحریک سے وابستہ کارکنان اپنی جماعت یا تحریک کے ممبران کی کثرت پر اِتراتے نظر آتے ہیں یا علما، شیوخ، اساتذہ، صوفیا اور مربیین کے پیروکار اپنے عالم، پیر، شیخ، مربی اور اُستاذ کو دوسرے علما، صوفیا، شیوخ، مربیین اور اساتذہ کے مقابلے میں آسمان پر چڑھانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ حضرات اپنے شیخ، اُستاذ، پیر یا مربی کو دوسروں سے بالاتر قرار دیتے ہوئے دراصل یہ ثابت کرنا چاہ رہے ہوتے ہیں کہ جب ہمارے شیخ اور اُستاذ تمہارے شیخ اور استاذ سے بہتر ہیں تو ہم ان شیوخ واساتذہ کے شاگرد دوسرے شیوخ واساتذہ کے شاگردوں سے بہتر ہیں۔

④ اپنے علم پر تکبر کرنا جیسا کہ بعض علما میں یہ مرض پایا جاتا ہے۔ اس صورت میں ایک

عالم دین اپنے علاوہ علما کو اپنے سے حقیر سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو بڑا جانتا ہے۔ بعض شیوخ الحدیث، مفتیانِ کرام، کبار علما اور محققین کو آپ دیکھیں گے کہ سائلین کے ساتھ بیٹھنا اپنے وقار کے منافی سمجھتے ہیں یا طالبانِ دین اور نوجوان علما کے ساتھ علمی تبادلۂ خیال میں عار محسوس کرتے ہیں یا کسی دیہاتی مخلص سائل کی رہنمائی کو اپنے وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں یا دوسرے علما کے دلائل پر اس لیے توجہ نہیں دیتے یا ان کی تحقیقات سے استفادہ نہیں کرتے کہ وہ علم میں ان کو اپنے سے کم تر سمجھتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ علمی تکبر کے اس دریا میں فقہی مسالک و مذاہب کے متبعین کی اکثریت سر تا پاؤں غرق ہے۔ ایک مسلک کے نمائندہ علما دوسرے مسالک و مذاہب کے علما کو حقیر جانتے ہیں اور انتہائی اخلاص سے یہ تکبر اپنے دل میں پالتے رہتے ہیں کہ علمی اعتبار سے اس جہاں میں ہمارا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ اگر کسی بڑے عالم دین، شیخ الحدیث یا مفتی صاحب کو مذہبی جلسہ و تقریب کے دوران سٹیج پر جگہ نہ ملے اور وہ عوام الناس کے ساتھ نیچے فرش پر بیٹھنے میں حجاب محسوس کریں تو یہ عالم دین، شیخ الحدیث اور مفتی صاحب علمی تکبر میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی عالم دین یا شیخ الحدیث یا مفتی صاحب کو مخاطب کرتے وقت اِلقابات کا لحاظ نہ کیا جائے اور براہِ راست ان کا نام لے لیا جائے اور وہ اس کو برا جانیں تو بلاشبہ یہ بھی تکبر ہی کی ایک قسم ہے۔

اس بحث سے مقصودِ کلام ہے کہ ہمارے ذہنوں میں عام طور پر تکبر کی یہ صورتیں نہیں ہوتی ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص کو اپنے ہر ہر فعل اور عمل کا محاسبہ اور تجزیہ کرتے رہنا چاہیے کہ میرا یہ عمل کہیں میری باطنی نشوونما یا تزکیہ میں رکاوٹ تو نہیں بن رہا ہے۔

## تکبر کے درجات

بعض اہل علم نے تکبر کے تین درجات بیان کیے ہیں:

① دل میں اپنی بڑائی ہو اور ظاہر میں تواضع وانکساری ہو۔ تکبر کا یہ درجہ انتہائی خطرناک

ہے اور اس کا تجزیہ کرنا بھی انسان کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس درجہ میں تکبر صرف دل تک محدود رہتا ہے اور انسان کے عمل یا قول میں داخل نہیں ہوتا۔

(۲) تکبر کا دوسرا درجہ دل کے بعد اپنے افعال واعمال میں تکبر کا اظہار کرنا ہے۔ مثلاً کوئی شخص مجالس، محافل، دوستوں، خاندان اور معاشرے میں اپنے عمل و فعل کے ذریعے اپنی بڑائی چاہے جیسا کہ ہم نے سابقہ صفحات میں اس کی کئی ایک مثالیں بیان کی ہیں۔ حدیث میں تہبند یا شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا عملی تکبر میں شامل کیا گیا ہے۔ گردن میں چادر ڈال کر دونوں کندھوں سے نیچے لٹکانا بھی پنجاب کے چوہدریوں میں عملی تکبر کی ایک صورت ہے۔ بعض اوقات جبوں اور قبوں کے ذریعے بھی عملاً اپنی بڑائی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

(۳) تکبر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے دل اور عمل سے بڑھ کر اپنی زبان سے فخر کا اظہار کرے مثلاً اپنے تزکیۂ نفس یا نیک ہونے کے دعوے کرے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے وہ باتوں باتوں میں ہر کسی کو اپنے تہجد گزار ہونے یا نیک ہونے یا بڑا عالم دین ہونے یا تعلیمی اسناد کی تاریخ سنانے یا عظیم محقق ہونے یا فل پروفیسر ہونے یا دین کا عظیم خادم بتلانے کے لیے بے چین و مضطرب ہوتے ہیں۔ بلاشبہ اس قسم کے اقوال میں تکبر قولی کی واضح صورت جھلکتی نظر آتی ہے اور اگر کسی شخص میں یہ عادت ہو تو اسے اپنی باطنی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

## تکبر کے اسباب

تکبر کیوں پیدا ہوتا ہے یا اس کے اسباب کیا ہیں؟ تکبر کے اسباب میں سے اہل علم نے حسد، بغض، کینہ، عجب اور ریا کا تذکرہ کیا ہے۔ جب کوئی شخص مال، علم، حسن و جمال یا مقام و مرتبے میں دوسرے سے حسد محسوس کرتا ہے تو عموماً اس پر تکبر کے ذریعے بڑائی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی شخص کسی دوسرے سے اپنے دل میں بغض اور کینہ رکھتا ہے تو یہ

بھی اس کے تکبر کا سبب بن جاتے ہیں۔ اپنے نفس کے عشق میں مبتلا ہونا یعنی خود پسندی اور عجب بھی تکبر کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔ اسی طرح ریاکاری بھی تکبر کے اسباب میں داخل ہے۔

## تکبر کا علاج

اہل علم نے تکبر کے دو قسم کے علاج تجویز کیے ہیں جو ذیل میں بیان کیے جا رہے ہیں:

### علمی علاج

تکبر کا علمی علاج یوں کیا جا سکتا ہے کہ انسان جب اللہ کی دی ہوئی کسی نعمت یا صفت یا کمال پر اپنے نفس میں بڑائی محسوس کرے تو یہ سوچ بار بار پیدا کرے:

① میرے اندر کا یہ کمال حق سبحانہ وتعالیٰ کا پیدا کردہ ہے یعنی عطائی ہے اور اس کے حصول میں میرا کوئی ذاتی عمل دخل نہیں ہے۔

② میں کسی ذاتی اہلیت کی بنا پر اس نعمت خداوندی کا مستحق نہیں تھا لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ کمال عطا فرما کر مجھے اپنی رحمت سے مجھے نوازا ہے۔

③ اس کمال کے اللہ کی طرف سے عطا کیے جانے کے بعد اس کا بقا میرے اختیار اور بس میں نہیں ہے اور کسی بھی وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے سلب کر سکتے ہیں۔

④ اگرچہ دوسرے شخص میں یہ کمال فی الحال نہیں ہے لیکن ممکن ہے مستقبل قریب یا بعید میں اسے یہ کمال مجھ سے بھی زائد درجہ میں حاصل ہو جائے۔

⑤ اس کا بھی غالب امکان ہے کہ دوسرے شخص میں کچھ ایسے کمالات ہوں جو میری نظر سے مخفی ہوں اور ان کی بنا پر اس کا رتبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں مجھ سے زائد ہو۔

### عملی علاج

تکبر کا علمی اور بہترین علاج یہ ہے کہ انسان جس کو اپنے نفس سے چھوٹا سمجھے، اس کے ساتھ بیٹھے، کھائے، پیئے، گفتگو کرے، دوستی کرے، اس کا احترام کرے، اس کے

بارے تحسین کے کلمات کہے اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ مثلاً ایک امیر اپنے تکبر کو غربا میں بیٹھ کر اور ایک عالم دین اپنے تکبر کو طلبا میں بیٹھ کر دور کر سکتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اہل علم نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ شریعت میں ازالہ نہیں بلکہ اِمالہ ہے یعنی معصیت کا مادہ ہی انسان سے ختم ہو جائے تو یہ شریعت کا مطالعہ نہیں ہے بلکہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان معصیت کے تقاضوں پر عمل نہ کرے اور ان کو کنٹرول کرے۔ پس تکبر کا مادہ ختم کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ تکبر کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا اور اس بیماری کا علاج کرنا مقصودِ شرع ہے۔

## تکبر سے متعلقہ بعض دوسری اصطلاحات

مضمون کے شروع میں ہم نے تکبر سے متعلق بعض دوسری اصطلاحات کا تذکرہ کیا تھا، ان کا ایک مختصر تعارف ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں تا کہ تکبر کے علاوہ ان باطنی بیماریوں کی پہچان بھی سالکین حق کے لیے آسان ہو۔

② **عُجب:** اس سے مراد اپنے کو بڑا سمجھنا عجب ہے۔ قرآن میں خود پسند کے لیے 'مختال' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

③ **حب جاہ:** اپنے آپ کو دل ہی دل میں بڑا سمجھنا اور کوشش کرنا کہ دوسرے بھی مجھے بڑا سمجھیں۔

④ **حب تفوق:** دوسروں پر غالب آنے کی شدید خواہش رکھنا اور اس پر عمل کرنا۔

⑤ **ریا:** کسی دینی عمل کو لوگوں کی نظر میں بڑا بننے کا ذریعہ بنانا ریاکاری کہلاتا ہے۔

تکبر سے متعلق ان اصطلاحات میں ہر ایک مستقل مضمون کی متقاضی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس موذی مرض سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

عذرا شفیع☆

# اِسلامی معاشرہ کی تعمیر میں مسلمان عورت کا کردار

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان خواتین نے اپنے دین کے لیے بڑی قربانیاں دیں۔ اس کے لیے اُنھوں نے قریب ترین تعلقات اور رشتوں کی بھی پروا نہ کی۔ خاندان اور قبیلہ سے جنگ مول لی۔ مصیبتیں سہیں، گھر بار چھوڑا۔ غرض یہ کہ مفادِ دین سے اُن کا جو بھی مفاد ٹکرایا، اُسے ٹھکرانے میں اُنہوں نے کوئی تامل اور پس وپیش نہیں کیا اور آخری وقت تک اپنے ربّ سے وفاداری کا جو عہد کیا تھا، اس کی مکمل پاسداری کی۔

## مسلمان خواتین کی قربانیاں

مکہ کے ابتدائی دور میں جن سعادت مند اور باہمت نفوس نے ایمان قبول کیا تھا ان میں عمار بن یاسرؓ کا خاندان بھی تھا۔ ان کی والدہ ابو حذیفہ بن مغیرہؓ کی باندی تھیں، اُن کو دین سے پھیرنے کے لیے ہر طرح کی اَذیت دی جاتی رہی یہاں تک کہ ابوجہل نے جرمِ حق کی پاداش میں نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا، لیکن ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ یہ پہلی شہادت تھی جو حضور ﷺ کے پیغام پر لبیک کہنے کے نتیجہ میں کسی کو نصیب ہوئی۔ ①

حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ بنتِ خطاب ایمان لے آئیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو اس قدر زدوکوب کیا کہ لہولہان ہوگئیں۔ حضرت عمرؓ کی سختی کے جواب میں کہتی ہیں:

"يا ابن خطاب ما كنتَ صانعًا فَاصْنَعْه فإني قد أسلمتُ" ②

''ابن خطاب! میں تو ایمان قبول کر چکی اب جو چاہو کر گزرو (میں اس سے پھر نہیں سکتی)''

ابوسفیان کے ایمان لانے سے قبل کا واقعہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے تو اپنی بیٹی اُمّ المومنین اُمِ حبیبہؓ سے بھی ملنے گئے۔ گھر میں نبی کا بستر بچھا ہوا تھا۔ وہ اس

☆اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج فار ویمن، اوکاڑہ

① طبقات ابن سعد: ۱۹۳/۸ ② مستدرک حاکم: ۵۹/۴

پر بیٹھنے لگے تو بیٹی نے فوراً اس کو تہہ کر دیا۔ باپ کے لیے یہ حرکت سخت تعجب خیز تھی۔ پوچھا، کیا تم نے اس کو میرے شایانِ شان نہ سمجھ کر اُٹھا دیا یا مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ اس پر بیٹھوں۔ بیٹی نے جواب دیا۔ یہ رسولِ خدا کا بستر ہے اور آپ مشرک اور نجس ہیں۔ میں اس مقدس بستر پر آپ کو بٹھا کر اس کو پلید کرنا نہیں چاہتی۔ ③

قرآنِ مجید کا حکم ہے کہ خدا کے دشمنوں اور محاربین سے اہلِ ایمان کو کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ ایک مرتبہ حضرت اسماؓ کی مشرک والدہ بنت عبدالعزّٰی، تحفے تحائف لیے ہوئے مکہ سے مدینہ ان کے گھر آئیں، حضرت اسماؓ نے ماں کے تحفوں کو قبول کرنے بلکہ ان کو اندر آنے کی اجازت دینے سے قبل رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی کہ کیا میں ان کو اپنے گھر ٹھہرا سکتی ہوں؟ اور یہ کہ وہ مجھ سے مدد اور ہمدردی کی توقع رکھتی ہیں کیا ان کے ساتھ تعاون اور حسنِ سلوک میرے لیے جائز ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا: ہاں، تمہارے لیے یہ دونوں باتیں جائز ہیں۔ ④

جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر اِفترا پردازی میں حصہ لیا، ان میں مسطحؓ بن اَثاثہ بھی تھے، ان کی ماں کے ایمانی تقاضوں نے اس کی اجازت نہ دی کہ بیٹے کی غلط حرکت کو گوارا کر لیں یا کم از کم تاویل وتوجیہ کے پردوں میں اس کو چھپا دیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے:

"كانت من أشد الناس علىٰ مسطح حين تكلم مع أهل الإفك في عائشة" ⑤

''مسطح نے جب حضرت عائشہؓ پر افترا پردازی کرنے والوں کے ساتھ تہمت باندھنے میں حصہ لیا تو یہ ان پر اور تمام لوگوں سے زیادہ سخت تھیں۔''

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت ان کے اس غیر شرعی اور ناروا عمل پر پیچ وتاب کھاتی اور غم وغصہ کا اظہار کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ باہر سے گھر آ رہی تھیں کہ پیر میں چادر اُلجھ گئی تو ایک دم وہی اندرونی جذبات اُبھر آئے اور بیٹے کو بددعا دینے لگیں۔ حضرت عائشہؓ کو اس وقت تک مسطح کی اس حرکت کا علم نہیں تھا اس لیے وہ مدافعت کرنے لگیں تو اُنھوں نے ان افواہوں کا ذکر کیا جو مدینہ کی فضا میں گشت کر رہی تھیں۔ ⑥

---

③ طبقات ابن سعد: ۷۰/۸ ④ صحیح بخاری: ۵۹۷۸ ⑤ طبقات ابن سعد: ۱۶۶/۸

## جنگی خدمات

شریعت نے ریاست کے دفاع اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی، لیکن اس کے باوجود اللہ کے دین کو سربلند دیکھنے کی تمنا اس کو دشمن کے خلاف محاذِ جنگ پر لے آتی اور مردوں کے ساتھ وہ بھی کفر کا علم سرنگوں کرنے میں حصہ لیتی رہی:

① ایک انصاری صحابیہ اُمّ عمارہؓ نے جنگِ اُحد میں مردوں کی سی ثابت قدمی اور دلیری کا مظاہر کیا۔ سعد بن ربیع کی صاحبزادی اُمّ سعدؓ نے اس کارنامہ کے متعلق دریافت کیا تو تفصیل سے بتایا کہ میں صبح سویرے ہی مجاہدین کی خدمت کے لیے میدانِ کارزار میں پہنچ گئی تھی۔

ابتدا میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا، لیکن بعد میں جب فتح ونصرت نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا تو اُن میں افراتفری اور انتشار پھیل گیا۔ اِس وقت حضور اکرم ﷺ کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ کی مدافعت میں تیر اور تلوار چلانے لگی۔ یہاں تک کہ دشمن کی ضرب مجھ پر آن پڑی۔ اُمّ سعد کہتی ہیں کہ میں نے ان کے کندھے پر بہت ہی گہرے زخم کا نشان دیکھا اور پوچھا، کس نے آپ پر اتنا سخت حملہ کیا تھا؟ اُنہوں نے جواب دیا، ابن قمہ نے! اللہ اسے غارت کرے! جب مسلمان شکست کھا کر حضور ﷺ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوئے تو یہ چلاتا ہوا آیا: بتاؤ محمد (ﷺ) کہاں ہے؟ اگر وہ اس جنگ میں بچ گیا تو میری نجات نہیں۔ یہ میری ہلاکت اور موت ہے۔ یہ سن کر میں اور مصعب بن عمیرؓ اور چند دوسرے اَصحاب نے جو آپ کے ساتھ جمے ہوئے تھے، اس کا سامنا کیا۔ اس مقابلہ میں اُس نے مجھ پر یہ وار کیا جس کا نشان تم دیکھ رہی ہو۔ میں نے بھی تلوار سے کئی ایک حملے کیے، لیکن دشمنِ خدا دو دو زرہیں پہنے ہوئے تھا۔ نبی ﷺ کی مدافعت میں اُنہوں نے جس ہمت اور پامردی کا ثبوت دیا اس کی شہادت خود آپ ﷺ نے ان الفاظ میں دی ہے:

«ما التفتُ يميناً ولا شمالاً إلا وأنا أراها تُقابل دوني»⑥

''دائیں بائیں جس طرف بھی میں نے رُخ کیا اُمّ عمارہؓ کو اپنی مدافعت میں لڑتے دیکھا۔''

اس دن ان کے جماؤ اور ثابت قدمی کو دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا:

---

⑥ صحیح بخاری: ۴۱۴۱ ⑦ سیرۃ ابن ہشام: ۳/۲۹، ۳۰

«لمقام نسيبة بنت كعب اليوم خير من مقام فلان وفلان»

''آج نسیبہ بنت کعب (اُمّ عمارہ) کی ثابت قدمی اور استقلال فلاں اور فلاں سے بہتر ہے۔''

اُحد کے علاوہ اُنہوں نے خیبر، حنین اور یمامہ کی جنگ میں بھی شرکت کی تھی۔ یمامہ کے دن لڑتے لڑتے ان کا ہاتھ شہید ہو گیا اور اس کے علاوہ تلوار اور نیزوں کے بارہ زخم ان پر دیکھے گئے۔ ⑧

② رومیوں سے مسلمانوں کی جنگ میں عکرمہؓ بن ابوجہل کی بیوی اُمّ حکیمؓ شریک تھیں۔ اجنادین کی لڑائی میں عکرمہؓ شہید ہو گئے، چار ماہ دس دن کی عدت کے بعد مرجِ صفر نامی ایک مقام پر ان کا نکاح خالد بن سعیدؓ سے ہو گیا۔ نکاح کے دوسرے دن خالد بن سعیدؓ نے دعوتِ ولیمہ کی، ابھی لوگ دعوت سے فارغ ہونے بھی نہ پائے تھے کہ رومیوں نے صف بندی شروع کر دی۔ جب گھمسان کا رن پڑا تو اُمّ حکیمؓ، جن پر اب تک شبِ عروسی کے آثار نمایاں تھے اپنے خیمے کا ایک ڈنڈا لے کر میدان میں کود پڑیں اور دشمن کے سات افراد کو اس دن موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ⑨

③ اَسماء بنت یزید کے ہاتھ سے جنگِ یرموک میں نو رومیوں کو موت کا پیالہ پینا پڑا۔ ⑩

④ ایک اور انصاری خاتون اُمّ حارثؓ کی ثابت قدمی اور شجاعت دیکھئے کہ جنگِ حنین میں اسلامی فوج کے قدم میدان سے اُکھڑ چکے ہیں، لیکن یہ چند باہمت نفوس کے ساتھ پہاڑ کی طرح جمی ہوئی ہے۔ ⑪

⑤ حضرت انس کی والدہ اُمّ سلیمؓ خنجر لئے ہوئے اُحد میں آئی تھیں۔ حنین میں بھی ان کے پاس خنجر تھا، اس طرح مسلح ہو کر آنے کا مقصد حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو جواب دیا:

"اتخَذْتُه إن دنا مني أحد من المشركين بقرتُ به بطنه" ⑫

''میں نے اس کو اس لیے ساتھ رکھا ہے تا کہ اگر کوئی مشرک قریب ہو تو اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں۔''

---

⑧ طبقات ابن سعد: ۳۰۱/۸ تا ۳۰۴ ⑨ الاستیعاب فی اسماء لاصحاب تذکرہ اُم حکیم

⑩ الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۳۳۵/۴ ⑪ الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ ام حارث

⑫ صحیح مسلم: ۱۸۰۹ [نوٹ: شرعی استدلال سے قبل تمام روایات کی فنی حیثیت کی جانچ ضروری ہے۔]

⑥ رومیوں میں جہاد میں شہرت رکھنے والی نامور شخصیت حبیب بن مسلمہؓ سے ان کی بیوی نے ایک جنگ کے موقع پر دریافت کیا۔ بتایئے! کل آپ کہاں ہوں گے؟ جواب دیا: یا تو دشمنوں کی صفوں کے اندر یا جنت میں۔ اِن شاء اللہ، جواب سن کر بیوی نے بھی پورے عزم کے ساتھ کہا، ان دونوں جگہوں میں سے جہاں بھی آپ ہوں گے مجھے توقع ہے کہ میرا مقام بھی وہی ہوگا۔[۱۳]

⑦ ربیع بنت معوذؓ کا بیان ہے:

"كنا لنغزو مع النبي ﷺ فنسقى القوم نخدمهم ونرد القتلى والجرحى إلى المدينة"[۱۴]

''ہم نبی ﷺ کے ہمراہ جہاد پر جاتی تھیں اور ہماری خدمات یہ ہوتی تھیں کہ مجاہدین کو پانی پلاتیں۔ ان کی خدمت کرتیں اور جنگ میں کام آنے والوں اور زخمی ہونے والوں کو مدینہ لوٹاتیں۔''

⑧ ایک اور صحابیہؓ جو حضور ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئی تھیں، بیان کرتی ہیں:

" كنا نداوي الكلمى ونقوم على المرضى"[۱۵]

''ہم زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کا علاج معالجہ اور ان کی تیمارداری کرتی تھیں۔''

⑨ اُمِّ عطیہؓ اپنے متعلق فرماتی ہیں:

''میں نبی کے ساتھ سات غزوات میں شریک ہوئی تو میں لوگوں کے لیے کھانا بناتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور بیماروں کی دیکھ بھال کرتی۔''[۱۶]

⑩ اُحد کے زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی اور خدمت کے لئے بہت سی صحابیات جنگ کے بعد مدینہ سے گئی تھیں، طبرانی کی روایت ہے:

"لمّا كان يوم أحد وانصرف إلى الصحابة يعينونهم وكانت فاطمة في من خرج"[۱۷]

''جس دن اُحد کی جنگ ہوئی اور جنگ کے بعد مشرکین واپس ہو گئے تو خواتین صحابہ کی

---

۱۳ البیان والتبیین: ۱۷۰/۲ ۱۴ صحیح بخاری: ۲۸۸۳ ۱۵ مسند احمد: ۸۴/۵

۱۶ ایضاً ۱۷ فتح الباری: ۲۸۷/۷

معاونت کے لیے روانہ ہوئیں۔ حضرت فاطمہؓ بھی ان ہی میں تھیں۔''
چنانچہ حضور ﷺ اس دن زخمی ہوئے تو حضرت فاطمہؓ ہی نے اسے چٹائی کی راکھ سے بھرا تھا۔
⑪ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ جنگ اُحد میں حضرت عائشہؓ اور اُمّ سلیمؓ نے بھی مجاہدین کی خدمت کی تھی:
" لقد رأيت عائشة بنت أبي بكر وأم سليم وإنهما المشمّرتان أرى خدم سوقهما تنقزان القرب على متونهما ثم تفرغانه في أفواه القوم ثم ترجعان فتملانهما ثم تجيئان فتفرغانه في أفواه القوم"[18]
''میں نے عائشہ بنت ابی بکر اور اُمّ سلیم کو کمر بستہ (لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے) دیکھا۔ وہ اس قدر تیزی سے دوڑ دھوپ کر رہی تھیں کہ میں نے ان کی پنڈلیوں کے پازیب دیکھے، وہ اپنی پشت پر پانی سے بھرے ہوئے مشک لاد لاد کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو پلاتیں پھر واپس جاتیں اور بھر کر لاتیں اور مجاہدین کی تشنگی دور کرتیں۔''
⑫ ایک انصاری خاتون اُمّ سلیطؓ کے متعلق حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:
"إنها كانت تزمز لنا القرب يوم أحد"[19]
''اُحد کے دن وہ ہمارے لیے مشکیزے بھرتی تھیں۔''
⑬ حمنہ بنت جحشؓ نے بھی اس دن یہ خدمات انجام دی ہیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے:
"وقد كانت حضرت أحدًا تسقى العطش وتداوي الجرحٰى"[20]
''وہ اُحد میں موجود تھیں۔ پیاسوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتیں۔''
⑭ اُمّ ایمن کے حالات میں بھی ابن سعدؒ نے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے:
" وقد حضرتْ أمّ أيمن أحدًا وكانت تسقي الماء وتداوي الجرحٰى وشهدت خيبر مع رسول الله ﷺ"[21]
⑮ جنگ خیبر کے سلسلے میں مورخ ابن اسحٰق نے صراحت کی ہے:
"وقد شهد خيبر مع رسول الله لنساء المسلمين"[22]
''خیبر میں حضور ﷺ کے ساتھ مسلمان خواتین میں سے بہت سی خواتین نے شرکت کی۔''

---

⑱ صحیح بخاری: ۴۰۶۴ ⑲ ایضاً: ۲۸۸۱ ⑳ طبقات ابن سعد: ۱۸۵/۸
㉑ ایضاً: ص ۱۶۳ ㉒ سیرۃ ابن ہشام: ۳۳۴/۳

(۱۶) حشر بن زیاد کی دادی اور پانچ عورتیں بھی اس جنگ میں گئی تھیں۔ اُنہوں نے حضور ﷺ سے آنے کا مقصد ان الفاظ میں ظاہر کیا:

"يا رسول الله! خرجنا نغزل شعر ونعين به في سبيل الله ومعنا دواء للجرحى ونناول السهام ونسقي السويق"[۴۳]

''اللہ کے رسول! ہم بالوں کو بٹتی ہیں اور اس کے ذریعے اللہ کے رستے میں تعاون کرتی ہیں۔ ہمارے ہمراہ زخمیوں کے لیے دوا ہوتی ہے، ہم تیر پکڑاتی اور ستو پلاتی ہیں۔''

(۱۷) خیبر ہی میں ابو رافعؓ کی بیوی، سلمہؓ قبیلہ اَشہل کی ایک خاتون اُمِّ عامر، ایک انصاری عورت اُمِّ خَلا[۴۴] اور کعیبہ بنتِ سعد کی شرکت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔[۴۵]

(۱۸) اس سے اہم تر بات یہ ہے کہ وہ کسی خارجی دباؤ کے تحت یہ خدمات انجام نہیں دیتی تھیں بلکہ محافظین دین کی رفاقت اور تعاون کو اپنے لیے باعثِ عزت سمجھ کر خود ہی پیش کش کرتی تھیں۔ اسی جنگِ خیبر کا واقعہ ہے کہ رسول ﷺ روانہ ہونے لگے تو قبیلہ غفار کی چند عورتوں نے آ کر عرض کیا:

" إنا نريد يا رسول الله أن نخرج معك إلىٰ وجهك هٰذا فنداوى لجرحى ونعين المسلمين بما استطعنا

''اے اللہ کے رسول ﷺ! اس مبارک سفر میں جس پر آپ جا رہے ہیں ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلنا چاہتی ہیں تاکہ زخمیوں کا علاج کریں اور اپنے بس بھر مسلمانوں کی مدد کریں۔''

(۱۹) بعض خواتین میدان جنگ سے باہر بھی یہ خدمات انجام دیتی تھیں۔ مثلاً رفیدہ نامی قبیلہ اسلم کی عورت کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے:

''وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی اور اُنہوں نے مسلمانوں کے زخمیوں کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا تھا۔''

چنانچہ مسجدِ نبویؐ میں ان کا خیمہ تھا۔ حضرت سعد بن معاذؓ جنگ خندق میں زخمی ہوئے تو حضور ﷺ نے ان کو رفیدہ ہی کے خیمہ میں منتقل کر دیا تھا تاکہ آپ بآسانی ان کی عیادت کر

---

(۴۳) سنن ابوداؤد: ۲۷۲۹
(۴۴) طبقات ابن سعد: ۳۳۶/۸
(۴۵) ایضاً ص ۲۱۳
(۴۶) سیرۃ ابن ہشام: ۲۹۵/۳

سکیں۔ ㉗

## دین کی مدافعت اور اس کی ترغیب

دین کی مدافعت، خواتین جس طرح شمشیر و سنان کے ذریعہ کرتی رہی ہیں، اسی طرح زبان و بیان سے بھی اُنہوں نے فریضہ انجام دیا ہے۔ حق کی نصرت وحمایت میں نیزہ اور تلوار بھی بلند کیا ہے اور زبان کی قوت بھی صرف کی ہے۔ ان کی پرجوش خطابت وتقریر نے بہت سوں کے لیے اللہ کی راہ میں مرنا اور جینا اور اپنی متاعِ حیات کا لٹانا آسان بنا دیا۔

① رسولِ اکرم ﷺ کی پھوپھی اَرویٰ بنت عبدالمطلب کے متعلق ابن عبدالبر نے لکھا ہے:

''وہ اپنی زبان سے نبی کا دفاع کرتیں اور اپنے بیٹے کو نبی کی مدد اور حکم پر اُبھارا کرتی تھیں۔'' ㉘

ان کے لڑکے طلیبؓ مکہ کے ابتدائی دَور ہی میں ایمان لا چکے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ جن میں طلیبؓ بھی شامل تھے، نماز ادا کر رہے تھے کہ ابوجہل، ابو لہب، عقبہ اور بعض دوسرے سردار اچانک ہلّہ بول بیٹھے اور زبان درازی شروع کر دی۔ صحابہؓ بھی پورے زور سے اظہارِ ایمان اور اپنی مدافعت کرنے لگے۔ طلیبؓ نے تو آگے بڑھ کر ابو جہل کو بری طرح زخمی کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرکین نے اُن کو پکڑ کر باندھ دیا۔ بعض لوگ یہ خبر لے کر اَرویٰؓ بنت عبدالمطلب کے پاس پہنچے اور کہا: ذرا اپنے بیٹے کی 'حماقت' تو دیکھو کہ محمد (ﷺ) کے پھیر میں آ کر لوگوں کے جور وستم کا نشانہ بن گیا ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا:

"خير أيام طليب يوم يدب عن ابن خاله وقد جاء بالحق من عند الله" ㉙

''وہ دن کہ جن میں طلیب نے اپنے ماموں زاد کی حمایت کی تھی بہترین دن ہیں، یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آیا۔''

② عبداللہ بن زیدؓ اُحد کے دن زخمی ہو گئے تو ان کی والدہ اُمّ عمارہؓ نے مرہم پٹی کی اور بجائے اسکے کہ اپنے لختِ جگر کو تکلیف میں دیکھ کر آرام لینے اور ستانے کا مشورہ دیتیں حکم دیا:

"انهض بني فضارب القوم" ㉚ ''میرے بیٹے اُٹھو اور دشمن کو مارو۔''

---

㉗ طبقات ابن سعد: ۲۱۳/۸ [نوٹ: شرعی استدلال سے قبل تمام روایات کی فنی حیثیت کی جانچ ضروری ہے]

㉘ الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ اروٰی بنت عبدالمطلب ㉙ مستدرک حاکم: ۵۲/۴

ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے شہدائے اُحد کے خلاف اشعار کہے تو ہند بنت اُثاثہؓ نے ان کا شعر ہی میں ترکی بہ ترکی جواب دیا۔[31]

(۳) حضرت خنساءؓ اپنے بچوں کے ساتھ جنگِ قادسیہ میں شریک ہوئی تھیں۔ان چاروں کو آغازِ شب ہی میں جمع کر کے کہا: اے میرے بچو! تم نے برضا ورغبت ایمان قبول کیا اور کسی کے دباؤ کے بغیر ہجرت کی۔ بخدا، جس طرح تمہاری ماں ایک ہے، اسی طرح تمہارا باپ بھی ایک ہے، کیونکہ تمہاری ماں نے نہ تو تمہارے باپ کے ساتھ کوئی خیانت کی نہ تمہارے ننہال کو رسوا کیا، نہ تمہارے حسب کو بٹہ لگایا اور نہ تمہارے نسب کو غبار آلود کیا (یعنی شریف اور باعفت ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ہو۔اس لیے تمہارے اعمال بھی شریفوں کے سے اور ارفع واعلیٰ ہونے چاہئیں) تمہیں معلوم ہے کہ خدا نے کفار سے جنگ کے عوض کس قدر ثواب تیار کر رکھا ہے۔خوب سمجھ لو! اس فنا ہونے والی دنیا سے دارالبقا بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

”اے ایمان والو! ثابت قدم رہو اور ثابت قدمی میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرو۔حق کی راہ میں جمے رہو اور اللہ سے ڈرو شاید تم فلاح پاؤ۔“ (آل عمران:۲۰۰)

اگر اللہ نے چاہا اور تم نے سلامتی سے صبح کی تو پوری بصیرت کے ساتھ اور خدائے تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے دشمن کے مقابلے میں نکل جاؤ اور جب گھمسان کا رَن پڑے اور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں تو تم اس کی بھٹی میں (بلا خوف وخطر) کود پڑو۔جس وقت دشمن کا لشکر پورے جوش اور جذبہ سے لڑائی میں مصروف ہو تو تمہارے حملوں کا نشانہ اس کا سردار رہے اس طرح تم غنیمت اور جنت میں شرف ومرتبہ کے مستحق ہو کر لوٹو گے۔

ماں کی زبان سے یہ پُرعزیمت تقریر سن کر چاروں لڑکے رجز پڑھتے ہوئے سربکف عرصۂ پیکار میں آ نکلے، پھر ان کو خاک وخون میں غلطاں ہی دیکھا جا سکا۔

(۴) جس زمانے میں حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کر رکھا تھا، ان کے تقریباً دس ہزار ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کے ساتھ جا ملے یہاں تک کہ ان کے دو لڑکے حمزہ اور خبیب بھی پناہ کے طالب ہو کر حجاج کے پاس چلے گئے۔عبداللہ بن زبیرؓ نے جا کر اپنی

(۳۰) طبقات ابن سعد: ۳۰۲/۸ (۳۱) سیرۃ ابن ہشام: ۳۰/۴۱، ۴۲

والدہ اسماء بنت ابی بکرؓ سے اپنی بے بسی کا تذکرہ کیا کہ اور تو اور میری اولاد تک نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔اب میرے ساتھ گنے چنے افراد رہ گئے ہیں جو حجاج کے مقابلہ میں دیر تک ٹھہر نہیں سکتے۔ اگر میں اب بھی حجاج کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں تو دنیا کی جو نعمت چاہوں مل سکتی ہے بتایئے آپ کی کیا رائے ہے؟ ماں نے جواب دیا:

''اے میرے بیٹے! تو اپنی نیت خوب جانتا ہے، اگر تو سمجھتا ہے کہ تو حق پر ہے اور حق کی طرف بلانے والا ہے تو اس پر صبر کر، تمہارے اَصحاب کو قتل کر دیا گیا اور تمہاری گردن بھی نہ بچ سکے گی۔ بنی اُمیہ کے لڑکے اس سے کھیلیں گے اور اگر تو جانتا ہے کہ تو حق پر نہیں ہے صرف دنیا حاصل کرنے کے لیے ہے تو تو بہت برا بندہ ہے تو نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا اور اپنے اصحاب کو بھی جو تیرے ساتھ قتل ہوں گے اور اگر تو حق پر ہے تو دین کو ہلکا نہ جان تو دنیا میں کتنی دیر زندہ رہے گا؟''

سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے ماں کے جذبات کی تائید کی اور حجاج کی مخالفت میں شہید ہو گئے۔[۳۲]

## اظہارِ حق

خواتین نے اپنوں ہی کو حق پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ معاشرہ میں جہاں کہیں ان کو بگاڑ نظر آیا، اس کو بدلنے اور اس کی جگہ خیر و صلاح کو قائم کرنے کی جدو جہد کرتی رہی ہیں۔

① سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کو سولی دینے کے بعد حجاج ان کی والدہ اسماء کے پاس گیا اور کہا: آپ کے صاحبزادے نے خدا کے گھر میں بے دینی اور الحاد پھیلایا جس کی سزا خدا نے اس کو دردناک عذاب کی شکل میں چکھائی ہے۔ حضرت اسماء نے کہا:

''تو جھوٹ بولتا ہے وہ تو اپنے والدین کا فرمانبردار تھا، روزے رکھنے والا اور قیام کرنے والا تھا میں نے نبیؐ سے سنا کہ ثقیف قبیلے سے دو جھوٹے نکلیں گے دوسرا پہلے سے زیادہ شر والا ہوگا۔''[۳۳]

② سُمَیہ نامی ایک کنیز تھی جس سے دورِ جاہلیت میں اس کے آقا بیسوائی کراتے تھے۔ سیدنا معاویہؓ کا ظالم گورنر زیاد اس کا لڑکا تھا۔ عموماً جیسے بیسواؤں کی اولاد کے حسب و نسب کا

---

[۳۲] البدایہ والنہایہ: ۳۳۰/۸ [۳۳] مسند احمد: ۳۵۱/۶

کوئی علم نہیں ہوتا اسی طرح زیاد کے سلسلۂ پدری کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا اور وہ نامعلوم النسب ہی مشہور تھا۔ حضرت معاویہؓ کے سامنے ایک شخص نے شہادت دی کہ ایک مرتبہ جاہلیت میں ابوسفیانؓ کی سُمیّہ کے ساتھ خلوت ہوگئی تو اس کے نتیجہ میں یہ پیدا ہوا۔ اس شہادت کی بنا پر حضرت معاویہؓ نے اس کو ابوسفیانؓ کی اولاد اور اپنا بھائی قرار دے لیا۔

زیاد اس سے بہت خوش ہوا وہ چاہ رہا تھا کہ اکابر اُمت سے بھی اس کی تصدیق ہو جائے چنانچہ حضرت عائشہؓ کو اس نے ایک خط لکھا جس کا سرنامہ یہ تھا: ''ابوسفیان کے لڑکے زیاد کی جانب سے اُمّ المومنین عائشہؓ کے نام' حضرت عائشہؓ اس غیر اسلامی فعل کی کیسے تائید کر سکتی تھیں۔ انہوں نے نہ تو حضرت معاویہؓ کے فیصلہ کا کوئی احترام کیا اور نہ زیاد جیسے سخت گیر اور جور پیشہ گورنر کی کوئی پرواہ کی اور جواب کا آغاز ان کلمات سے کیا ''امّ المومنین عائشہؓ کی طرف سے نامعلوم باپ کے لڑکے زیاد کے نام''[۳۳]

## اَعیانِ حکومت کو نصیحت اور اس کے نتائج

تنقید یا تائید اسی وقت سود مند ہوتی ہے جب کہ اس کے پیچھے خلوص اور خیر خواہی کے جذبات کارفرما ہوں، ورنہ نہ تو تائید کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ تردید کا۔ مسلمان خواتین نے جو کچھ کہا اور کیا، ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر خالص دین اور ملت کے مفاد کی لئے کہا اور کیا۔

دین کے نفع وضرر کا پاس ولحاظ، اس کے لیے ہر طرح کی قربانی اور شدید ترین وجاں گسل مواقع پر استقامت؛ خاتونِ مسلم کی یہ ایسی صفات تھیں جنھوں نے اس کے خلوص اور وفاداری کو ہر شک وشبہ سے بالاتر کر دیا اور کوئی بھی شخص اس کو دین اور اَربابِ دین کی بدخواہ اور غدار نہیں ثابت کر سکا۔ اُس نے فرد اور جماعت کے مفاد کے لئے جو بھی اقدام کیا اس کو ذاتی غرض اور نفسانی خواہش پر محمول نہیں کیا گیا بلکہ مخلصانہ جدوجہد سمجھ کر اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ عام اَفراد تو کیا، ذمہ دارانِ ریاست تک نے اس کی تنقید اور نصیحت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اس سے استفادہ کیا ہے۔

① سیدنا معاویہؓ نے سیدہ عائشہؓ کو لکھا کہ مجھے ایک مختصر سی نصیحت کیجئے (جسے میں ہمیشہ

---

[۳۳] طبقات ابن سعد: ۱/۱۷

کے لئے اپنے سامنے رکھ سکوں) تو امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ نے انتہائی مؤثر اور ایک حاکم وقت کو رہنمائی کا کام دینے والا حضور ﷺ کا یہ ارشاد لکھ کر بھیجا:

"من التمس رضی اللهِ بسخط الناس کفاه الله مؤنة الناس ومن التمس رضا الناس بسخط اللهِ وکله الله إلی الناس"[۳۵]

''جس شخص نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی ناراضی سے کافی ہو جائے گا۔ اور جس نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا چاہا، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے ہی سپرد کر دے گا۔''

② ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں خولہ بنت ثعلبہؓ سے ملاقات ہوگئی۔ وہ وہیں حضرت عمرؓ کو نصیحت کرنے لگیں۔ رعایا کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ بات ذہن نشین کر لو کہ جس شخص کو خدا کے عذاب کا خوف ہوگا وہ قیامت کو دور نہیں سمجھ سکتا اور جس کو موت کا کھٹکا لگا ہوگا (وہ لا ابالی زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ) اس کو نیکیوں کے ہاتھ سے چھوٹ جانے کا ہر وقت خدشہ رہے گا۔''[۳۶]

③ ایک مرتبہ عمرؓ نے فرمایا: مہر کی مقدار کم رکھو تو ایک عورت نے تردید کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو اس کی تبلیغ کا حق نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ''اگر تم اپنی عورتوں کو مہر میں ایک ڈھیر مال بھی دے دو تو اس سے ایک حبّہ بھی نہ لو۔'' اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی کوئی حد نہیں ہے حضرت عمرؓ نے اعتراف کرتے ہوئے فرمایا: ''ایک عورت نے عمرؓ سے بحث کی اور غالب رہی۔''[۳۷]

④ سودہ بنت عمارہ نے جنگِ صفین میں حضرت معاویہؓ کے خلاف حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کا واقعہ ہے کہ یہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئیں۔ پہلے تو ماضی میں جو کچھ ہوا، اس پر معافی چاہی پھر کہا: ''امیر المومنین! آپ لوگوں کے سردار اور ان کے معاملات کے ذمہ دار و نگہبان ہیں، اس لئے ان کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کیے ہیں ان کے متعلق وہ آپ سے ضرور پوچھے گا۔ ہم پر ایسے گورنر متعین ہو کر آتے ہیں جو

---

۳۵ سنن ترمذی: ۲۴۱۴

۳۶ الاستیعاب، تذکرہ خولہ بنت ثعلبہ

۳۷ فتح الباری: ۹/۱۶۱

آپ کے غلبہ و اقتدار کو مستقل اور وسیع کرنے کے ساتھ ہم کو کھیتی کی طرح کاٹ پھینکتے اور گائیوں کی طرح روند ڈالتے ہیں۔ یہ ہمارے حقوق کو ٹھیک سے اَدا نہیں کرتے۔ ہم کو خراب سے خراب تر چیز چکھاتے ہیں اور بڑی سے بڑی اور نفیس سے نفیس شے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ دیکھیے، ابن اَرطاۃ حاکم بن کر آیا تو اس نے ہمارے قبیلہ کے افراد کا خون بہانا شروع کر دیا اور میرا مال چھین لیا۔ آپ کی اطاعت ہم پر فرض ہے ورنہ ہمارے اندر اتنا کس بل اور بچاؤ کی قوت ہے کہ ہر ظلم کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کو معزول کر دیں تو ہم آپ کے مشکور ہوں گے ورنہ ہم آپ کو بھی دیکھیں گے۔'' حضرت معاویہؓ نے کہا: کیا تو مجھے اپنی قوم کے ذریعہ دھمکی دے رہی ہے؟ ''قسم خدا کی میں نے تو ارادہ کیا ہے کہ تجھ کو کانٹوں بھری سواری پر بٹھا کر اسی کے پاس لوٹاؤں تا کہ وہ اپنا فیصلہ تجھ پر نافذ کرے۔'' اس پر سودہ خاموش ہو گئیں۔ پھر کچھ دیر بعد دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ اس روح پر رحمت نازل فرمائے جس کو ایک قبر نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے اور جس کے ساتھ عدل و انصاف بھی دفن ہو چکا ہے۔ اس نے حق کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ اس کے عوض دولت دنیا میں حاصل کرے گا، اس طرح حق اور ایمان اس میں جمع ہو گئے۔''

حضرت معاویہؓ نے پوچھا: وہ کون؟ علیؓ بن ابی طالب۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: تجھ پر اس عدل و انصاف کا کوئی نشان نظر نہیں آتا؟ اس نے جواب دیا: میں یہ بلا دلیل نہیں کہہ رہی ہوں۔ میرے پاس ان کے انصاف کا ثبوت موجود ہے۔ ایک دن میں نے ان کی خدمت میں ان کے ایک محصل صدقات کی شکایت لے کر پہنچی۔ وہ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو محبت بھرے انداز میں پوچھا: کیا تمہاری کوئی ضرورت ہے؟ میں نے محصل کی زیادتی بیان کی تو رونے لگے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا: ''اے میرے اللہ! تو جانتا ہے، میں نے اپنے گورنروں کو تیری مخلوق پر ظلم و ستم ڈھانے اور تیرے حقوق کو چھوڑ بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔'' اس کے بعد فوراً جیب سے چمڑے کا ایک ٹکڑا نکالا اور اس پر اس کی معزولی کا حکم لکھ بھیجا۔ اس میں کسی قسم کی تاخیر روا نہ رکھی (لہٰذا آپ کی حکومت کو بھی ایسے ہی عدل پرور ہونا چاہیے کہ کسی بھی شخص پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے۔ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا

کہ اس کے ساتھ عدل وانصاف کیا جائے۔ اس نے پوچھا: کیا انصاف میرے ہی ساتھ مخصوص ہے یا میری قوم بھی اس میں شریک ہے؟ حضرت معاویہؓ نے کہا: تمہیں اپنے علاوہ دوسروں سے کیا مطلب؟ اس نے کہا: ''انصاف ہوتو سب کے ساتھ ہو ورنہ یہ بہت ہی مذموم بات ہو گی کہ ایک کے ساتھ انصاف کیا جائے اور دوسروں پر ظلم روا رکھا جائے۔ اگر آپ میرے کل قبیلہ کے ساتھ عدل نہیں کر سکتے تو مجھے بھی انصاف کی کوئی ضرورت نہیں، میری قوم جس خستہ حالت میں پڑی ہوئی ہے میں بھی پڑی رہوں گی۔''

حضرت معاویہؓ نے کہا: ابن ابی طالب نے تم کو جری بنا دیا ہے۔ پھر ماتحتوں کو حکم دیا کہ گورنر کولکھ دو کہ اس کے مطالبات پورے کیے جائیں۔[۳۸]

⑤اسی طرح عکرشہ بنت اَطرش بھی حضرت معاویہؓ کے دربار میں ان کے گورنروں کی شکایت لے کر پہنچی اور بے باکانہ کہا کہ ''اس سے پہلے ہمارے اغنیا سے زکوۃ لی جاتی اور ہمارے غریبوں میں تقسیم کر دی جاتی، لیکن اب نہ تو شکستہ حال کی شکستگی دور ہوتی ہے اور نہ محتاج کی محتاجی رفع کی جاتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ آپ کی ایماء اور مشورے سے ہو رہا ہے تو آپ جیسے شخص سے (توقع یہ کی جاتی ہے کہ) تنبیہ ہوتے ہی فوراً چونک اُٹھیں گے اور توبہ کرینگے اور اگر اس میں آپ کی رائے اور مشورہ کو دخل نہیں ہے بلکہ گورنروں کی اپنی طرف سے ظلم و زیادتی ہے (تو یہ بھی آپ جیسی ذمہ دار شخصیت کے منافی ہے کہ) وہ امانت داروں کو چھوڑ کر خائنوں سے تعاون حاصل کرے اور ظالموں کو خدمات پر مامور کر دے۔'' حضرت معاویہؓ نے معذرت کی کہ کبھی کبھی ایسے خراب حالات سے ہم کو سابقہ پڑتا ہے کہ قانون پر عمل کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس نے کہا: سبحان اللہ! آپ کیسی بات کر رہے ہیں۔ اس دانائے غیب نے ہم پر کوئی ایسا فرض متعین ہی نہیں کیا ہے جس پر عمل سے دوسروں کو نقصان ہو۔ بالآخر حضرت معاویہؓ نے اس قبیلہ کی زکوۃ کو اسی کے افراد کے اندر تقسیم کرنے اور اس کے ساتھ عدل وانصاف کیے جانے کا فرمان جاری کیا۔''[۳۹]

اس جرأت وہمت کو دیکھئے کہ کس طرح دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے بے خوف ہو کر

---

[۳۸] العقد الفرید: ۱/۲۱۱۔۲۱۲ [۳۹] ایضاً ص ۲۱۶

حق کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس دین پر وہ ایمان رکھتی ہے، ناممکن ہے کہ وہ باطل کی تاریک شب کو اس پر قبضہ جمانے کی اجازت دے۔ اگر وہ اس کی اجازت دیتی ہے تو اپنے دین و ایمان کی موت کا اعلان کرتی ہے۔ اس لئے وہ مجبور ہے کہ سوسائٹی میں باطل کے جراثیم کو پنپنے اور دین و ایمان کی غارت گر قوتوں کو قدم جمانے کا موقع نہ دے۔

## سیدہ عائشہ کی تنقید و احتساب

بنو اُمیہ کے آغازِ خلافت کا ذکر ہے کہ حضرت معاویہؓ کے گورنر اپنے خطبوں میں حضرت علیؓ اور ان کے حامیوں پر لعن طعن کرتے تھے۔ ان کی اس روش پر کوفہ کے ایک صحابی حجر بن عدیؓ برملا تنقید فرماتے اور ساتھ ہی حضرت علیؓ اور ان کے اعوان و اَنصار کی مدح و توصیف کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے گورنروں نے ان کی زبان بندی کی ہر چند کوشش کی، لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ اس کے برعکس حجر بن عدیؓ کے ہم خیال اور مؤیدین میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت معاویہؓ نے حجرؓ اور ان کے بعض ساتھیوں کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے۔ اور جب یہ گرفتار کر کے ان کے پاس لائے گئے تو ان کے قتل کا فیصلہ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو فوراً عبدالرحمٰن بن حارث کو حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ وہ اس اقدام سے باز آجائیں، لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی حجرؓ اور ان کے سات ساتھی شہید کیے جا چکے تھے۔ اس پر حضرت عائشہؓ بے حد خفا ہوئیں اور حضرت معاویہؓ سے سختی سے باز پرس کی عبدالملک بن نوفل روایت کرتے ہیں کہ وہ یہاں تک کہتی تھیں:

"لو لا يغلبنا سفهاء نا لكان لي ولمعاوية في قتل حجر شأن"[40]

''اگر سفہا کے غلبہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو حجر کے قتل کے سلسلہ میں میرا اور معاویہ کا معاملہ کچھ اور ہی ہوتا۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اکابر صحابہ، فتنہ و فساد کے خدشہ سے بعض غیر شرعی اُمور انجام پاتے ہوئے دیکھنے کے باوجود خاموش رہے، اسی طرح حضرت عائشہؓ نے بھی اس معاملہ میں بر بنائے مصلحت سکوت اختیار کیا۔ ورنہ وہ کوئی سخت قدم اُٹھانا چاہتی تھیں۔

حج کے زمانے میں حضرت معاویہؓ کی حضرت عائشہؓ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عائشہ

---

[40] البداية والنهاية: ۵۵/۸

نے تہدید آمیز انداز میں پوچھا:

''اے معاویہ! تو نے حجر اور اس کے ساتھیوں سے جو کیا وہ کیا۔ تو نہیں ڈرتا کہ میں کسی آدمی کو چھپا کے بٹھاؤں تاکہ وہ تجھے قتل کر دے۔''

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے معذرت کرتے کرتے بڑی مشکلوں سے ان کی خفگی کو ختم کیا۔ [41]

## رائے اور مشوروں کا حق اور اس سے استفادہ

یہ تاریخی شہادتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلامی معاشرہ کے سود و زیاں اور نفع و ضرر سے مسلمان عورت کسی تماشائی کی طرح غیر متعلق نہیں رہ سکتی، کیونکہ معاشرہ کے بناؤ اور بگاڑ اور اصلاح و فساد سے اس کا بہت ہی گہرا اور قریبی تعلق ہوتا ہے۔ معاشرہ کا نقصان اس کا اپنا نقصان اور معاشرہ کا فائدہ اس کا اپنا فائدہ ہے۔ وہ معاشرہ کو خیر کی بنیادوں پر قائم رکھنے میں مدد دے گی تو لازماً شر کی راہ پر لے جانے کی مخالفت اور مزاحمت بھی کرے گی۔ بھلائیوں کا خیر مقدم کرے گی تو برائیوں پر احتجاج بھی کرے گی۔ یہ اس کا فطری حق ہے جو اجتماعی زندگی نے اس کو عطا کیا ہے۔

جہاں تک اس کے ذاتی مسائل کا تعلق ہے مثلاً نکاح، خلع وغیرہ تو ان کے متعلق شریعت نے صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ کوئی بھی شخص اس پر اپنا فیصلہ لاد نہیں سکتا جو بھی اقدام کیا جائے گا، اس کی رضا اور خوشی کے بعد کیا جائے گا۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

« لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن» [42]

''شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کی اِجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔''

ایک دوسری روایت ہے: «لا تنكحوا اليتامى حتى تستأمروهن» [43]

''یتیم لڑکیوں کا نکاح ان سے رائے اور مشورہ کرنے سے پہلے نہ کر دو۔''

'یتامیٰ' کا لفظ یہاں بہت ہی قابلِ توجہ ہے۔ شفیق و مہربان اور خیر خواہ باپ کے نہ ہونے

---

[41] البدایہ والنہایہ: ۵۵/۸ [42] صحیح بخاری: ۵۱۳۶

[43] ابن قتیبہ، عیون الاخبار: ۲۷/۱

کی صورت میں بہت ممکن ہے کوئی ظالم سرپرست بے آسرا لڑکی کو ظلم وزیادتی کا نشانہ بنالے اور شریعت نے اس کو اپنے متعلق فیصلہ میں رضامندی کا جو حق دیا ہے، اس سے محروم کردے۔ اس لیے خصوصی طور پر اس سے رائے اور مشورے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ عورت پر کسی حال میں بھی جبر نہ ہو۔ ان معاملات کا تعلق تو اس کی اپنی شخصیت سے ہے۔ اس سے بھی آگے حضور اکرم ﷺ کی ہدایت ہے: «آمروا النساء في بناتهن» [۴۴]

''عورتوں سے ان کی لڑکیوں کے معاملہ میں مشورہ لو۔''

یہ حدیث بتاتی ہے کہ جن شعبوں سے متعلق وہ تجربات رکھتی ہے اور ان کے نفع ونقصان سے بہتر طور پر واقف ہے، ان کے سلسلہ میں اس کے افکار وخیالات خصوصی توجہ اور اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جن کو نظر انداز کرنا ہمارے لئے کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا بلکہ ان معاملات میں اس کی رائے اور مشورہ سے فائدہ اٹھانے میں پیش قدمی کرنی چاہیے۔

یہ اُسوہ زندگی کے کسی ایک یا چند پہلوؤں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق ہر نوعیت کے مسائل اور تمام پہلوؤں سے ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں تاریخ کے صفحات میں جگہ جگہ ملتا ہے۔

حدیبیہ کی مشہور صلح، قریش اور مسلمانوں کے درمیان جن شرائط پر ہوئی تھی۔ ابتدا میں ان سے مسلمانوں کی اکثریت ناخوش تھی۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر لوٹ جائیں گے۔ اس شرط کی وجہ سے آپ ﷺ نے صحابہ کو حدیبیہ ہی کے مقام پر احرام کھولنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا، لیکن صحابہ کے جذبات اس وقت اتنے بدلے ہوئے تھے کہ اس حکم کی تعمیل ہوتی نظر نہ آئی۔ آپ ﷺ نے افسوس کے ساتھ ام سلمہؓ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے صحابہؓ کی نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے انتہائی دانش مندانہ مشورہ دیا کہ آپ کسی سے مزید گفتگو نہ فرمایئے بلکہ جو مناسک ادا کرنے ہیں ان کو آگے بڑھ کر ادا کیجیے۔ پھر دیکھیے، کس طرح لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا تو صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کو دیکھ کر فوراً پیروی شروع کردی۔ [۴۵]

اس طرح اُم سلمہؓ کی درست اور صائب رائے نے آن کی آن میں یہ نازک صورتِ حال ختم کرکے رکھ دی۔ حضرت عمر کے بارے میں ہے کہ

إن كان عمر ليستشير في الأمر حتى إن كان ليستشير المرأة فربما أبصر

---

[۴۴] سنن ابوداؤد: ۲۰۹۵ [۴۵] صحیح بخاری: ۲۷۳۲

في قولها أو يستحسنه فيأخذ به[۴۶]

''عمرؓ پیش آمدہ مسائل میں (اصحاب الرائے لوگوں سے) مشورہ کرتے حتیٰ کہ (ان مسائل میں سمجھ بوجھ رکھنے والی) کوئی عورت ہوتی تو اس سے بھی اور بسا اوقات ان کی رائے میں خیر و خوبی کا کوئی پہلو دیکھتے یا کوئی مستحسن چیز پاتے تو اس کو اختیار کرتے۔''

شفاء بنت عبداللہؓ کے تذکرہ میں علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:

''شفاءؓ ہجرت سے قبل اسلام لائیں، وہ مہاجرات میں سے ہیں اور نبی کی بیعت ہوئیں۔ آپ کا شمار فاضل اور زیرک عورتوں میں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ ان کی رائے کو مقدم رکھتے اور اسے ترجیح دیتے تھے۔''[۴۷]

جس زمانہ میں حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے قاتلین سے قصاص لینے کی تیاری کر رہی تھیں، اپنی ایک تقریر میں فرماتی ہیں:

''لوگ عثمان کے خلاف ہو رہے تھے اور ان کے عمال پر الزامات لگا رہے تھے۔ وہ ہم سے ان کی خبروں کے بارے مشورہ کرتے تھے تو ہم نے ان سب حالات میں عثمانؓ کو بے گناہ، متقی، اور وفادار پایا جب کہ اودھم مچانے والوں کو فاجر دھوکے باز اور حیلے باز پایا۔''[۴۸]

اِن الفاظ سے ایک تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہؓ حکومت اور اس کے ذمہ داروں کے اعمال کا دقتِ نظر سے مطالعہ کرتی رہتی تھیں کہ کون سے اُمور حدودِ عدل و انصاف کے اندر انجام پا رہے ہیں اور کہاں ان حدود سے تجاوز ہو رہا ہے، دوسرے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ عوام کے مسائل و معاملات سے حضرت عائشہؓ کا بہت ہی گہرا اور قریبی تعلق تھا اور لوگ اہم سیاسی مسائل تک میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ اُن کو سلجھانے کی کوشش کرتی تھیں۔

حضرت عثمانؓ کے بعد کس کو خلیفہ بنایا جائے؟ اس بنیادی سوال کو لے کر بصرہ کی مشہور شخصیت اور اپنے قبیلہ کے سردار احنف، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے علاوہ حضرت عائشہؓ کے پاس بھی جاتے ہیں۔ جب تینوں کی رائے حضرت علیؓ کے حق میں پاتے ہیں تو مدینہ جا کر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔[۴۹]

---

[۴۶] بیہقی: ۱۱۳/۱۰ [۴۷] الاستیعاب فی اسماء الاصحاب تذکرہ شفا بنت عبداللہ

[۴۸] تاریخ کامل: ۹۰/۲ [۴۹] طبری: ۱۹۷/۵

## عملی تعاون

مختلف سیاسی و غیر سیاسی مسائل میں عورت کی رائے اور فہم سے اسلامی معاشرہ نے جس طرح فائدہ اُٹھایا ہے، اس طرح اپنی تعمیر و تشکیل کے سلسلے میں بھی اس کی عملی صلاحیتوں سے وہ مدد حاصل کرتا رہا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ضرورت پر خلافت نے بھی اس سے یہ خدمات حاصل کی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے خوارج نے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کو جہاد پر لے جاتے تھے؟ اُنہوں نے جواب دیا: "وقدكان يغزوبهن فيداوين الجرحى"[50]

''ہاں آپ ان کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور وہ زخمیوں اور مریضوں کے علاج معالجہ کا کام انجام دیتی تھیں۔''

كان رسول الله ﷺ يغزو بأم سليم ونسوة من الأنصار فيسقين الماء ويداوين الجرحى [51]

''رسول ﷺ اُم سلیم اور انصار کی بعض خواتین کو لے کر جنگ پر روانہ ہوتے تھے تاکہ وہ پیاسوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔

اسکے علاوہ بعض سماجی اور مذہبی کام بھی ان سے لیے گئے ہیں مثلاً امّ ورقہ بنت عبداللہ کہتی ہیں:

"كان رسول الله يزورها في بيتها وجعل لها مؤذنا يؤذن لها وأمرها أن تؤمن أهل دارها" [52]

''رسول اللہ ان کے گھر آتے تھے انہوں نے اس کے لیے ایک مؤذن مقرر کیا جو اذان کہتا تھا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کروائیں۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی ایک لونڈی کو حکم دیتے تھے کہ وہ رمضان کی راتوں کی نماز (تراویح) میں ان کی گھر کی عورتوں کی امامت کرے۔[53]

اسلامی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات پورے طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلامی معاشرہ نے عورت پر بہت سی مذہبی اور سماجی ذمہ داریاں عائد کیں اور مسلمان عورت نے اپنی خانگی فرائض کے ساتھ اپنی اِن ذمہ داریوں کو بطریق اَحسن پورا کیا ہے۔

---

[50] صحیح مسلم: ۱۸۱۲ [51] ایضاً [52] سنن ابوداؤد: ۵۹۱

[53] المحلی: ۱۱۸/۳

## دورِ حاضر اور مسلمان عورت کی ذمہ داری

آج کے دور میں مسلمان عورت کی ذمہ داریاں کئی گنا بڑھ گئی ہیں۔ اس کا کام صرف گھر کی دیکھ بھال نہیں بلکہ اس کی اصل ذمہ داری نئی نسل کی پرورش ونگہبانی ہے جو انفرادی توجہ اور اچھی تعلیم وتربیت کی مستحق ہے۔ گھر ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ بچوں کی پرورش وتربیت، ان میں شعائرِ اسلامی کا احترام پیدا کرنا، اسلامی خطوط پر ان کی اُٹھان، جہادِ زندگانی میں مردوں کی سچی رفیق ثابت ہونا، ان میں حوصلہ اور ہمت پیدا کیے رکھنا، ان کی ذمہ داریوں کا بوجھ کم کرنا اور گھر میں آمدن وخرچ کے بارے میں صحیح رویے اختیار کرنا؛ یہ وہ تمام کام ہے جو آج کی عورت سرانجام دے سکتی ہے تاکہ گھر میں سکون وچین کی فضا پیدا ہو سکے۔

حاصل کلام یہ کہ تعمیر واصلاح معاشرہ کے کام میں باشعور اور دینی تعلیم وتربیت سے بہرہ مند خواتین بہت عمدگی سے اپنا کردار ادا کرسکتی ہیں۔ معاشرے میں نمودار ہونے والے بعض منفی رجحانات تو ایسے ہوتے ہیں جن کی خواتین اوّل قدم پر ہی اپنی انفرادی کوششوں سے درونِ خانہ بیخ کنی کرسکتی ہیں۔ شوہروں کے لیے جسمانی وروحانی سکون وتسکین، اپنے قول و عمل سے اولادوں کو دین داری کا درسِ اوّلین، گھروں میں توکل وقناعت اور سکون وآرام کی فضا کی فراہمی، سب فرائض سے وہ کما حقہ نمٹ سکتی ہیں۔ کم آمدنیوں کو اپنے سلیقے اور محنت سے استعمال کر کے عزت اور خودداری سے رہنے کا سامان پیدا کرسکتی ہیں۔ اپنے تعاون، رفاقت اور ہمت افزائی سے مردوں کو دینی اور دنیوی ترقی کے دروازے پر پہنچا سکتی ہیں۔ اپنے ہمسایوں اور عزیزوں کے سامنے اپنے کردار واخلاق کا بہترین نمونہ پیش کر کے کتنے ہی گھروں میں اصلاحِ احوال کی بنیاد رکھ سکتی ہیں۔ دینی اجتماعات کی بدولت کتنے ہی دلوں میں اپنے اخلاق کی عمدگی، شائستگی، احترام وحسن خلق سے دین داری کا شوق پیدا کرسکتی ہیں۔ ہمسایوں کے حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے حسن سلوک سے اپنے آس پاس ایک ہمدرد، مہذب، دیندار اور معاون ماحول پیدا کرسکتی ہیں اور دین کیلئے ایثار کا عملی مظاہرہ کر کے ان مجاہدات میں شامل ہوسکتی ہیں۔ جن کے لیے حضور ﷺ نے ان کے گھروں کو ہی میدانِ جہاد قرار دیا ہے۔

ملتِ اسلامیہ

محمد اقبال کیلانی[1]

# زوالِ اُمت کا سبب

## ٹیکنالوجی سے محرومی یا ایمان سے محروم قیادتیں؟

نائن الیون کے خود ساختہ ڈرامہ کے بعد اُمتِ مسلمہ، خاص طور پر اہل پاکستان جس الم ناک صورت حال سے دوچار ہیں، اس پر دلِ حساس رکھنے والا ہر شخص یہ سوچتا ہے کہ آخر مسلمانوں کے اس زوال اور پستی کا اصل سبب کیا ہے؟

مارچ ۲۰۱۱ء کے ماہنامہ 'محدث' لاہور، شمارہ نمبر ۳۴۵ میں "عہدِ رسالت اور سائنس و ٹیکنالوجی" کے عنوان سے شائع ہونے والا مقالہ ایسے ہی دل دردمند کی ایک پکار ہے جس میں مقالہ نگار محترم ڈاکٹر نعمان ندوی نے قرآنی آیات اور سیرتِ طیبہ کے حوالہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ موجودہ زوالِ اُمت ہمارے ضعفِ ایمان کا نتیجہ ہے۔

محترم ندوی صاحب کے مقالہ پر مدیر 'محدث' محترم حسن مدنی صاحب نے اپنے مختصر تبصرہ میں مقالہ نگار کے موقف کو 'قابل غور' قرار دیا ہے اور ساتھ یہ وضاحت فرمائی ہے:

> "ذاتِ باری تعالیٰ پر اعتقاد اور اعتماد رکھنے کو شرطِ ایمان ٹھہراتے ہوئے، دنیا کے دار الاسباب ہونے کے تحت اللہ تعالیٰ نے عملی رویہ کے طور پر اُمتِ مسلمہ کو دنیاوی اسباب کی جستجو کی تلقین کی ہے بطورِ مثال قرآنِ کریم ہمیں ﴿وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ کی ہدایت دیتا ہے.... دورِ حاضر کے تناظر میں اُمتِ مسلمہ پر سائنس و ٹیکنالوجی کا حصول واجب ہو جاتا ہے۔"

نائن الیون کے مکر و فریب پر مبنی حادثہ کے فوراً بعد اس وقت کے صدر جنرل (ر) مشرف نے امریکہ کے مطالبہ پر سب کچھ اس کے حوالے کر دیا، تب سے مشرف کے حواریوں اور امریکہ کے نمک خواروں نے بڑے زور شور سے یہ بحث شروع کر رکھی ہے کہ ہم ٹیکنالوجی

---

[1] مصنف مقبول سلسلۂ کتب تفہیم السنۃ..... پروفیسر کیمسٹری، کنگ سعود یونیورسٹی، الریاض

میں امریکہ سے بہت پیچھے ہیں، ہم کسی صورت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہمارے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا آپشن نہیں کہ ہم بلا چوں وچراں امریکہ کی ہر بات تسلیم کریں، ورنہ وہ ہمیں پتھر کے دور میں پہنچادے گا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اُمتِ مسلمہ پر سائنس اور ٹیکنالوجی حاصل کرنا یا اس میں ترقی کرنا واجب ہے یا نہیں؟ ہماری ناقص رائے میں یہ بحث عوام الناس کو اُلجھانے اور اصل مسئلے سے توجہ ہٹانے کے لئے کی جارہی ہے۔ غور فرمایئے کہ اگر کسی شخص پر کتا حملہ آور ہو تو کیا اسے یہ بتانے یا سمجھانے کی ضرورت ہے کہ وہ ہاتھ میں ڈنڈا پکڑے اور کتے کو مار بھگائے؟ یہ بات اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھی ہے کہ وہ دشمن سے اپنا دفاع کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے اور پھر اس کا حکم بھی دیا ہے ﴿وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ اپنی جان یا اپنے وطن کے دفاع کے لئے ٹیکنالوجی کا حصول یا اس میں ترقی کے لئے کوشش کرنا تو ایک قطعی اور طے شدہ امر ہے جس سے کسی بھی ہوش مند انسان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اصل اور ہمارے پیش نظر سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان کے پاس کم از کم اپنا دفاع کرنے کے لئے ٹیکنالوجی ہے یا نہیں؟

ہم زمینی حقائق کی بنا پر پورے وثوق سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان کے پاس اپنے دفاع کے لئے الحمدللہ بھرپور قوت اور ٹیکنالوجی موجود ہے۔ آج پاکستان کی سلامتی اور خود مختاری کے لئے جو بات سوالیہ نشان بن چکی ہے اور جس وجہ سے وطن عزیز کا باشعور طبقہ دن رات آگ کے انگاروں پر لوٹ رہا ہے، وہ ہمارے ملک کے قبائلی علاقوں میں دشمن کے ڈرون حملے ہیں جن کی وجہ سے بے گناہ مرد، عورتیں اور بچے آئے روز شہید ہو رہے ہیں۔ ہماری عسکری قیادت کا یہ بیان پہلے شائع ہو چکا ہے کہ ہم ڈرون حملوں کو روکنے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں اور اب روزنامہ 'جنگ' کے معروف کالم نگار عرفان صدیقی نے لکھا ہے کہ میں نے ایک ملاقات میں براہِ راست فضائیہ کے سربراہ چیف مارشل راؤ قمر سلیمان سے ڈرون حملوں کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے مسکراتے ہوئے کہا: ''سیاسی حکومت فیصلہ کر لے، ہمیں حکم دے ہم ان ڈرونز کو چڑیوں کی طرح مار گرائیں گے؟''[1]

[1] روزنامہ جنگ: ۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

سوال یہ ہے کہ ٹیکنالوجی اور کس بلا کا نام ہے؟ اپنے دفاع کے لئے ہمیں اور کس نوعیت کی ٹیکنالوجی چاہئے؟ کیا ہندوستان کے آخری کونے تک مار کرنے والے میزائلوں کی ٹیکنالوجی پاکستان کے پاس موجود نہیں؟ جس ملک کے سائنس دانوں کے پاس ایٹم بم بنانے کی ٹیکنالوجی موجود ہے، کیا وہ ہائیڈروجن بم یا مدر بم بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتے؟

① حال ہی میں پاکستان نے 'ملٹی ٹیوب بیلسٹک میزائل حتف ۹ نصر' کا کامیاب تجربہ کیا ہے جو ایٹمی وار ہیڈ کے ساتھ ۶۰ کلو میٹر تک زمین سے زمین تک مار کرتے ہوئے دشمن کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ ٹیکنالوجی کی رٹ لگانے والوں سے ہم یہ پوچھتے ہیں کیا یہ ٹیکنالوجی نہیں...؟

② امریکی ویب سائٹ 'دی ہوفنگ ٹاؤن پوسٹ' نے پاکستانی سائنس دانوں کی ٹیکنالوجی میں کامیابیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"پاکستان رواں دہائی کے آخر تک دنیا کی چوتھی بڑی جوہری طاقت بن جائے گا۔ پاکستان نے ایٹمی وار ہیڈز لے جانے کے لئے کروز اور دیگر میزائلوں کے ساتھ ساتھ آبدوزوں کے بھی کامیاب تجربے کئے ہیں۔ پاکستان کے پاس ۷۰ سے ۹۰ ایٹمی وار ہیڈز ہیں جو اس کے حریف سے بھی زیادہ ہیں۔ جس سے اسی بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایٹمی صلاحیت کا حامل یہ ملک حملہ کرنے والے کو بھرپور جواب دینے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔"[۲]

③ پاکستان اور سعودی عرب میں اپنی چالیس بیالیس سالہ ملازمت کے دوران مجھے الحمد للہ سعودی، ترکی، مصری، سوڈان، ملائی، امریکی اور یورپی سائنس دانوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے کی بنا پر میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مسلم ممالک کے سائنس دان کسی طرح بھی صلاحیت کے اعتبار سے یورپ اور امریکہ کے سائنس دانوں سے کم نہیں۔

④ آپ نے یہ خبر ضرور پڑھی ہوگی کہ ۲۰۰۹ء میں ایک امریکی بینک کی اے ٹی ایم مشین کے نیٹ ورک میں خرابی پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے مختلف ممالک میں اس کی سینکڑوں

---

۱ روزنامہ جنگ: ۲۰/اپریل ۲۰۱۱ء

۲ روزنامہ 'اُردو نیوز' جدہ: یکم اپریل ۲۰۱۱ء

برانچوں کو کروڑوں ڈالر کا نقصان ہوا۔ امریکہ میں ٹیکنالوجی کے بڑے بڑے ماہرین سر جوڑ کر بیٹھے لیکن حل تلاش کرنے میں ناکام رہے۔ بینک نے امریکہ کے علاوہ برطانیہ میں متعدد یونیورسٹیوں سے رابطہ کیا لیکن تمام ماہرین وہ خرابی دور کرنے میں ناکام ہو گئے۔ اس دوران مانچسٹر یونیورسٹی کے چانسلر نے اپنے سیکرٹری کو پاکستان میں ۱۵ سالہ طالب علم عمار سے رابطہ کرنے کا حکم دیا۔ رابطہ کرنے پر چانسلر نے خود عمار سے بات کی۔ عمار نے چانسلر سے سافٹ ویئر کا کوڈ طلب کیا اور چند منٹوں میں ٹھیک کر کے واپس بھیج دیا۔ جس پر عمار کو بینک نے ۲۵ ہزار ڈالر انعام دیا۔ یاد رہے کہ عمار اس واقعے سے قبل مانچسٹر یونیورسٹی سے کمپیوٹر کے مشکل ترین امتحان اوریکل نائن آئی (ORACLE) میں سب سے زیادہ نمبر لے کر ورلڈ ریکارڈ قائم کر چکا تھا۔[1]

⑤ ۲۰۰۷ء میں پاکستان کی ایک ۹ سالہ ذہین و فطین طالبہ ارفع کمپیوٹر کے عالمی امتحان 'مائیکروسافٹ سرٹیفکیشن' میں کامیاب ہو کر ورلڈ ریکارڈ قائم کر چکی ہے۔ جس ملک کے ۱۵ سالہ اور ۹ سالہ بچے ٹیکنالوجی میں ورلڈ ریکارڈ قائم کر سکتے ہیں، اس ملک کے پختہ کار سائنس دانوں کا کوئی ثانی ہو سکتا ہے؟[2]

⑥ شاید آپ جانتے ہوں گے برطانیہ اور جرمنی سے برآمد ہونے والے بعض کیمیکلز پاکستان میں تیار ہوتے ہیں۔ عالمی معیار کے مطابق ہونے کی وجہ سے برطانیہ اور جرمنی پاکستان سے اپنے ہاں درآمد کر کے اپنی کمپنیوں کے نام سے خوبصورت پیکنگ کر کے کئی گنا زیادہ منافع پر برآمد کرتے ہیں۔

⑦ سرجری کے سامان کے بارے میں پاکستان کا ہر ہنر مند جانتا ہے کہ برسوں سے یہ سامان سیالکوٹ میں عام کاریگر یا ہنر مند تیار کرتے ہیں جہاں سے برطانیہ اور جرمنی درآمد کر کے اس سامان پر Made in England اور Made in Germany کی لہریں لگا کر برآمد کرتے ہیں۔

⑧ چار پانچ سال قبل مجھے اپنے بھائی صاحب سے ملاقات کیلئے تربیلا ڈیم جانا تھا۔ راستے میں

---

۱ روزنامہ 'ایکسپریس' لاہور ۵/جولائی ۲۰۰۹ء

۲ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، اُردو ڈائجسٹ اپریل ۲۰۰۷ء.... 'پاکستان کی ونڈر گرل'

واہ کینٹ کے قریب بعض دوستوں نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رکھی تھی۔ دوستوں سے ملاقات کے بعد اُنہوں نے مجھے اپنی ورکشاپ دکھائی، جہاں وہ سپیئر پارٹس تیار کر رہے تھے۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ یہ سپیئر پارٹس ہم واہ آرڈیننس فیکٹری کے لئے تیار کر رہے ہیں۔

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کا المیہ ٹیکنالوجی ہرگز نہیں، اصل المیہ ایمان سے محروم نالائق عیاش اور بزدل قیادتیں ہیں، جن میں ٹیکنالوجی اور قوت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور توکل نہیں کہ سر اُٹھا کر دشمنوں سے بات کرنے کا حوصلہ کر پائیں۔

⑨ بدر و حنین اور موتہ و تبوک کی مثالیں تو جانے دیجئے کہ مادہ پرست اور ٹیکنالوجی کے ثنا خواں کہہ سکتے ہیں کہ وہ تو خیر القرون کی باتیں ہیں، اب کہاں؟ آج سے دو عشرے قبل جب روس جیسی سفاک سپر پاور نے افغانستان پر حملہ کیا، تب امریکہ بھی روس سے خوف زدہ تھا اور پاکستان کو نصیحت کر رہا تھا کہ روس کی مزاحمت نہ کرو۔ روس جہاں جاتا ہے وہاں سے واپس نہیں لوٹتا۔ امریکی امداد شروع ہونے سے کم از کم ڈیڑھ دو سال پہلے تک آکر وہ کونسی قوت اور ٹیکنالوجی تھی جس نے ضیاء الحق اور افواجِ پاکستان کو روس کے مد مقابل لا کھڑا کیا؟

چلئے لمحہ بھر کے لئے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ کفار کے مقابلہ میں ہمارے زوال اور پستی کا سبب ٹیکنالوجی کی قلت یا محرومی ہے، لیکن اس سوال کا جواب کیا ہے کہ ملک کے اندر معیشت کی تباہی، بد امنی، دہشت گردی، ڈاکے، اغوا، چوریاں، ٹارگٹ کلنگ، کرپشن، اسٹیل مل سکینڈل، پنجاب بینک سکینڈل، انشورنس کارپوریشن سکینڈل، نیشنل پاور کمپنیز سکینڈل اور اب حج سکینڈل، اوپر سے لے کر نیچے تک جرائم کی بھرمار۔ ساری دنیا کی نظروں میں یہ جگ ہنسائی اور ذلت بھی کسی ٹیکنالوجی کی قلت کے سبب ہے؟

آخر اس ذلت اور رسوائی کا ذمہ دار کون ہے؟

جس اسلامی جمہوریہ کا صدر قوم سے خطاب میں کلمہ طیبہ صحیح نہ پڑھ سکے، وزیر اعظم تعددِ ازدواج کا سرعام مذاق اڑائے اور شراب پینے کا اعتراف کرے، جس ملک کی وزیر اعظم حدود قوانین کو ظالمانہ سزائیں قرار دے اور جس کا مبلغ علم اتنا ہی ہو کہ اسے اذان بجنے اور کہنے کا فرق تک معلوم نہ ہو۔ جس ملک کا صدر بین الاقوامی پلیٹ فارم پر داڑھی، حجاب اور

قانونِ حدود کا مذاق اُڑائے، ڈالروں کے لالچ میں مجاہدین، محبِ وطن افراد اور قوم کی بیٹیوں کو بیچ ڈالے، جس ملک کا وزیر تعلیم قرآن مجید کے چالیس پارے بتائے، جس ملک کا وزیر اعظم خود ڈرون حملوں کی اجازت دے اور قوم کے سامنے ان کی مذمت کرے، جس ملک کے وزیر داخلہ کو سورۂ اخلاص تک پڑھنی نہ آئے۔ جس ملک کے ایک صوبہ کا گورنر قانون توہین رسالت کو کالا قانون کہے، جس ملک کے وزیر اعظم کے ایک مشیر صاحب نے حضرت موسیٰؑ کی لکھی ہوئی تفسیر پڑھ کر وفاق کا امتحان پاس کیا ہو، جس ملک کی اسمبلی کے بیشتر ارکان نہ صرف اَن پڑھ ہوں بلکہ جعلی ڈگریوں کی دھوکہ دہی میں ملوث ہوں، جس ملک کے کلیدی عہدوں پر خائن اور مجرم قابض ہوں۔ عدالت اُنہیں سزا دے اور حکومت خود ان کا تحفظ فرما رہی ہو، وہاں ایمان اور ٹیکنالوجی کی بحث چہ معنی دارد؟.... کونسا ایمان اور کیسا ایمان؟

ہمیں معلوم نہیں کہ حسین نصر اور اس کا گروپ کون لوگ ہیں لیکن آپ یقین کریں امریکہ اور یورپ کے نمک خواروں کے بہت سے گروپ آج تمام اسلامی ممالک میں سرگرم عمل ہیں، جن کے پیش نظر درج ذیل دو مقاصد ہیں:

اوّلاً: مسلمانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ وہ ٹیکنالوجی میں امریکہ سے صدیوں پیچھے ہیں، لہٰذا عافیت اسی میں ہے کہ بلا چوں وچراں امریکہ کی غلامی اختیار کرلی جائے اور اسے اپنا آقا اور اَن داتا تسلیم کرلیا جائے۔

ثانیاً: عوام الناس کو یہ یقین دلایا جائے کہ موجودہ زوال اور پستی کا سبب ایمان سے محروم بزدل اور عیاش حکمران نہیں بلکہ ٹیکنالوجی کی قلت یا اس سے محرومی ہے تاکہ امریکہ کے ان پسندیدہ حکمرانوں کی حکومتیں قائم دائم رہیں اور عوام اُن سے تعرض نہ کریں۔

پس حاصل گفتگو یہ ہے کہ آج ملتِ اسلامیہ خصوصاً اہل پاکستان کے زوال اور پستی کا اصل سبب ٹیکنالوجی سے محرومی یا قلب نہیں بلکہ ایمان سے محروم قیادتیں ہیں، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل ایمان و دانشور ٹیکنالوجی کی اس بحث سے ہرگز متاثر نہ ہوں اور واضح الفاظ میں کھل کر اصل سبب یعنی ضعفِ ایمان کی نشاندہی کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ غلبہ کا وعدہ ایمان کی شرط کے ساتھ فرمایا ہے۔ ٹیکنالوجی کی شرط کے ساتھ نہیں فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[1]
''کمزوری نہ دکھاؤ اور غم نہ کرو، تمہی غالب ہو اگر مؤمن ہو۔''

یہاں ہم اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ٹیکنالوجی میں خود کفیل ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم غیر ضروری طور پر بڑی طاقتوں سے اُلجھیں اور اپنے لئے مسائل پیدا کرلیں۔ مسلمان اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک امن پسند قوم ہے لیکن ٹیکنالوجی میں خود کفیل ہونے کی وجہ کم از کم اتنا تو ضرور ہونا چاہئے کہ دنیا ہمیں ایک باوقار اور خود مختار قوم کی حیثیت سے جانے اور پہچانے۔

آخر میں مدیر محترم کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کوئی ایسی مقدس اور متبرک شے نہیں جس کی تنقیص پر کبیرہ گناہ واجب ہوتا ہو، اپنے مختصر تبصرہ میں آپ نے سائنس کے بعض فوائد تو گنوائے ہیں، لیکن انفرادی زندگی میں اس کی تباہ کاریوں اور اجتماعی زندگی میں اس کی ہلاکت خیزیوں سے قطعی طور پر صرفِ نظر فرمایا ہے، معلوم نہیں کیوں؟ میری ناقص رائے میں انسانیت کے لئے سائنس کی خدمات کم اور اس کی تباہ کاریاں کہیں زیادہ ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں جو بات جوا اور شراب کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے وہ صدفی صد سائنس پر سچ ثابت ہوتی ہے: ﴿وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾[2] ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔ تاہم وطن کے دفاع کے لئے اس کا حصول یقیناً واجب ہے !! وَصَلَّى اللهُ عَلَى نَبِيِّنَا مُحمد وَآله وَأصحابه أجمعين

**وضاحت** از مُدیر: فاضل مضمون نگار کے موقف سے ہمیں اتفاق ہے کہ جذبۂ ایمانی اور توکل واعتقاد کسی قوم کے عروج وزوال میں سائنس وٹیکنالوجی سے کہیں زیادہ اہم کردار ادا کرتے ہیں، بالخصوص پاکستان کے معاملے میں۔ جن سطور کے نیچے لائن لگائی گئی ہے، ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی اُصولی طور پر اسلام میں سائنس وٹیکنالوجی کی نفی نہیں ہے۔ میرا ڈاکٹر ندوی کے موقف کو 'قابل غور' قرار دینے سے اس کی افادیت کی طرف متوجہ کرنا ہی مقصود تھا۔ سائنس کا حکم تو حالات وضروریات کے تابع ہے اور اس کی تعلیم بعض اوقات حرام ہوتی ہے، بعض اوقات مستحب اور کبھی واجب، جس کے لئے راقم کی تحریر 'اسلامی اور سائنسی علوم میں ایک تقابل' کو دیکھنا مناسب ہوگا۔ (محدث، شمارہ ستمبر ۲۰۱۰ء)

۱ سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۳۹
۲ سورۃ البقرۃ: آیت ۲۱۹

# لیبیا میں مغربی ممالک کی دلچسپی کی وجوہات معاشی ہیں!

ویسے تو اس وقت پورا مشرقِ وسطیٰ بارود کا ڈھیر بنا ہوا ہے اور اُردن، شام، یمن، بحرین سمیت تقریباً پورے مشرقِ وسطیٰ اور شمال افریقی ممالک میں پُر تشدد مظاہرے جاری ہیں لیکن لیبیا کی صورتِ حال خاصی مختلف ہے جہاں عوامی مظاہروں اور مخالفین کے کئی اہم شہروں پر قبضے کے بعد کرنل قذافی کے حامیوں اور مخالفین کے درمیان خونریز تصادم شروع ہوا۔ اس خونریزی کو جواز بناتے ہوئے اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی رسمی اجازت کے بعد امریکا اور ناٹو افواج نے لیبیا پر حملہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے بحران کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ دوسری جانب بحرین میں حکومت مخالف مظاہرین کو کچلنے کے لیے سعودی افواج کے بحرین میں داخل ہو کر کارروائی کرنے پر مغربی منصوبہ سازوں نے چپ سادھ لی۔ اِس سے قبل مصر میں امریکا نے خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے حسنی مبارک کی جگہ فوج کے اقتدار سنبھالنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جبکہ مراکش اور اُردن کے معاملے میں بھی خاموشی اختیار کیے رکھی۔ اب محسوس ہو رہا ہے کہ شام میں ہونے والے پُر تشدد مظاہروں کے بعد مغرب ایک بار پھر بشر الاسد کی حکومت گرانے کے لیے متحرک ہو گا اور وہاں بھی اپنی پسند کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

چونکہ شام کا معاملہ ابھی دور ہے اس لیے لیبیا کی صورت حال کے مطالعے سے پورے مشرقِ وسطیٰ میں شروع ہونے والے سیاسی کھیل کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کیونکہ اب مغربی تجزیہ نگار یہ خیال ظاہر کر رہے ہیں کہ لیبیا میں کرنل قذافی کی فوجوں کی طرف سے مزاحمت کی وجہ سے مغرب کے فوجی آپریشن کو مکمل ہونے میں کئی مہینے لگ سکتے ہیں حالانکہ امریکی صدر بارک اوباما اور اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ یہ آپریشن جلد ہی بند کر دیا جائے گا جس کی اُمید کم ہی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کی سیاسی صورتِ حال پر گفتگو کرتے ہوئے

ہمیں یہ بات مد نظر رکھنا ہوگی کہ جدید مغربی ریاستی تصور کی رو سے کسی ملک کے عوام کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی حکومت کی تبدیلی کریں، اس مقصد کے لیے وہ کوئی بھی راستہ اختیار کرسکتے ہیں۔ اگر ملک میں کثیر الجماعتی جمہوریت ہے تو پھر انتخابات تبدیلی کا ذریعہ ہوتے ہیں لیکن اگر شخصی یا فوجی آمریت مسلط ہو تو عوام کو احتجاج اور پُر تشدد مظاہروں کا طریقہ بھی اپنانا پڑتا ہے مگر یہ خالصتاً اندرونی معاملہ ہوتا ہے جس میں بیرونی مداخلت پیچیدگیاں پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہے لیکن جدید دنیا میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ جب دنیا ایک گلوبل ویلیج کی شکل اختیار کرچکی ہے تو کسی ایک ملک میں ہونے والی صورت حال دیگر ممالک پر بھی براہِ راست اثر انداز ہوسکتی ہے، اس لیے آج کسی ملک میں رونما ہونے والے واقعات سے دوسرے ممالک لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ خاص طور پر جب عوام پر ریاستی تشدد اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو معاملہ کسی بھی طور اندرونی نہیں رہتا بلکہ حقوقِ انسانی کا عالمی مسئلہ بن جاتا ہے مگر اس سلسلے میں دوہرا معیار نہیں ہونا چاہیے۔ جیسا کہ امریکا اور اس کے اتحادیوں نے مشرقِ وسطیٰ کے مختلف ممالک میں ہونے والی بے چینی پر ظاہر کیا ہے یعنی لیبیا پر تو سلامتی کونسل کی اجازت سے براہِ راست حملہ کردیا جبکہ بحرین میں سعودی عرب کی فوجی مداخلت پر خاموشی اختیار کرلی۔ جس کی وجہ سے صورتِ حال مزید پیچیدہ اور گنجلک ہوچکی ہے۔

مسلم دنیا میں امریکا اور اس کے حلیف ممالک کے خلاف پہلی عراق جنگ ۱۹۹۱ء کے بعد سے شدید غم وغصّہ موجود ہے جس میں ۹/۱۱ کے بعد افغانستان اور عراق پر حملوں کے بعد شدت آئی ہے۔ اس صورتِ حال میں مجاہدین مسلمانوں سے ہم دردانہ جذبات وصول کررہے ہیں اور اس کے نتیجے میں مسلم Mindset ٹکراؤ کی طرف رجحان اختیار کررہا ہے جس کا فوری فائدہ بھی بہرحال مغربی استعماری قوتوں ہی کو پہنچے گا۔

اگر اس پوری صورتِ حال کا عالمی مسابقتی سوچ کے تناظر میں جائزہ لیا جائے تو بات بہت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے۔ بحرین میں اس مفروضے کی بنیاد پر عوامی خواہشات کے برخلاف موجودہ حکمرانوں کی سرپرستی کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ شیعہ اکثریت اقتدار میں آکر لازمی طور پر ایران کی طرف جھکاؤ کا مظاہرہ کرے گی جس سے امریکی مفادات کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس لیے شورش کو طاقت سے کچلے جانے پر کوئی ردّ عمل ظاہر نہ کرو جبکہ لیبیا پر حملہ

کرنے کا مقصد لیبیائی عوام کو جمہوریت سے فیض یاب کرنے سے زیادہ اس حکمران سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خواہش شامل ہے جو نہ صرف مغربی ممالک بلکہ بیشتر عرب ممالک کے لیے گذشتہ ۴۲ برس سے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ اس لیے مشرقِ وسطیٰ میں کارروائیاں جمہوریت کے عظیم تر مفاد کی بجائے مغرب کے معاشی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے کی جارہی ہیں۔ اس کے علاوہ امریکا ان ممالک کے دانت بھی نکالنا چاہتا ہے جو اس خطے میں اسرائیل کے لیے کسی قسم کا چیلنج بن سکتے ہیں۔

عراق کے بعد شام اور لیبیا گو کہ فوجی اعتبار سے چیلنج نہیں ہیں لیکن وہاں کی حکومتیں اسرائیل مخالف جذبات کو اُبھارنے اور ان قوتوں کی مالی امداد کرنے کی پوزیشن میں ہیں جو اسرائیل کے وجود کے لیے کسی بھی وقت خطرہ بن سکتی ہیں۔ خاص طور پر لیبیا جو اقتصادی طور پر اس قدر مضبوط اور مستحکم ہے کہ وہ مختلف جنگجو گروپوں کی کئی برس تک مالی امداد کرسکتا ہے جو اسرائیل کے وجود کو شدید نقصان پہنچاسکتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا ہدف تیل کے ذخائر پر قبضہ جمانا اور اس خطے کو اپنی ضروریات کے مطابق Restructure کرنا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ لیبیا میں عوامی بے چینی کا سبب مصر اور تیونس کی طرح معاشی بدحالی نہیں ہے بلکہ شخصی آزادی ہے۔ لیبیا سعودی عرب اور کویت کے بعد خطے کا وہ تیسرا ملک ہے جہاں مغربی تصورِ اظہارِ رائے کے مطابق شدید قدغنیں عائد ہیں اور عوام کو حکومتی پالیسیوں سے اختلاف کا حق نہیں۔ عام طور پر یہ تصور ہے کہ ۴۲ برس سے ایک متلوّن مزاج فوج آمر ملک کے سپیدہ وسیاہ کا مالک ہے جو موروثی حکمرانی قائم کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ لیبیا کے عوام بندشوں اور پابندی سے اکتاہٹ کا شکار ہوکر تبدیلی کے لیے میدانِ عمل میں کود ے ہیں۔ لیکن بعض تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ لیبیا میں ہونے والے فسادات کے پیچھے مغربی منصوبہ سازوں کی ریشہ دوانیوں کا بھی ہاتھ ہے جو اس ملک کو عدم استحکام کا نشانہ بناکر اس کے تیل کے ذخائر کو اپنے کنٹرول میں کرنے کی خواہش مند ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لیبیا، جو دنیا کا تیل پیدا کرنے والا ۱۲ واں بڑا ملک ہے اور جو روزانہ اوسطاً 41.5Gbb خام تیل نکالتا ہے، اس کے تیل کے ذخائر قومی ملکیت ہیں اور تیل نکالنے والی سب سے بڑی کمپنی نیشنل آئل کارپوریشن ہے جو تیل کی کل پیداوار کا ۷۲ فیصد حصہ نکالتی ہے۔ اس طرح غیر ملکی کمپنیوں کو صرف ۲۸ فیصد تیل تک رسائی حاصل ہے۔ نتیجتاً تیل سے

ہونے والی ۹۵ فیصد آمدنی سیدھی خزانے میں جاتی ہے جو مغربی سرمایہ کاروں کے لیے تشویش کا باعث ہے۔ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے عشرے میں جب اقوام متحدہ نے لیبیا پر پابندیاں عائد کی تھیں تو اس کی شرح نمو میں ۴۲ فیصد کمی آگئی تھی۔ لیکن ۲۰۰۶ء میں امریکا کی جانب سے لیبیا کو دہشت گردی کی سرپرستی کرنے والے ممالک کی فہرست سے خارج کرنے کے بعد یہاں بہت تیزی کے ساتھ بیرونی سرمایہ کاری ہوئی اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بڑھا جس کے نتیجے میں آج شرح نمو 10.6 فیصد تک جا پہنچی ہے۔ امریکا اور مغربی ممالک اس کی اس ترقی سے بھی خائف ہیں۔

اب دوسری طرف آیئے، لیبیا میں شہری آبادی ۸۴ فیصد ہے جبکہ ۱۶ فیصد دیہی آبادی بڑی شاہراہوں کے ذریعے شہروں سے جڑی ہونے کے سبب خاصی خوشحال ہے۔ چونکہ لیبیا میں اُجرتیں بھی دیگر شمالی افریقی ممالک کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہیں، اس لیے دنیا کے بیشتر ممالک سے افرادی قوت لیبیا کی طرف کھنچی چلی آتی ہے، جس کی وجہ سے شرحِ نمو میں اضافہ اور معیشت میں استحکام آرہا ہے۔ ایک اور نقطہ نظر یہ بھی سامنے آیا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں ہونے والی شورش بے شک عوامی ردعمل کا نتیجہ ہے لیکن اس کے پس پشت تیل کی عالمی کمپنیوں کی دولت بھی کارفرما ہے۔ خاص طور پر لیبیا کے معاملے میں یہ ہاتھ صاف نظر آتا ہے کیونکہ جب سے مشرقِ وسطیٰ میں بحران شروع ہوا، تیل کی قیمتوں میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا لیکن لیبیا میں اتحادی فوجوں کی کارروائی کے ساتھ ہی اضافہ کی شرح میں تیزی کا رجحان کم ہو گیا۔ لہٰذا جو تجزیہ نگار لیبیا میں ہونے والی شورش کے پیچھے مغربی ایجنسیوں کا ہاتھ دیکھ رہے ہیں، وہ خاصی حد تک صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت پر عوامی اعتماد ہر ملک کے عوام کا اسلامی حق ہے۔ آمریت اور پشتینی بادشاہت کی مذمت کی جانی چاہیے، چاہے وہ لیبیا میں ہو یا کسی اور ملک میں۔ لیکن ساتھ ہی عالمی استعمار کی ترقی پذیر ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی مخالفت بھی جمہوریت پسند حلقوں کی ذمہ داری ہے۔ عوام میں پائی جانے والی بے چینی کے نام پر کسی گماشتہ گروہ کو ان پر مسلط کرنے کی کوشش کی بھی شدومد سے مخالفت کی جانی چاہیے۔ ہمیں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ۱۹۹۰ء میں جس نیو ورلڈ آرڈر کا تصور جارج بش سینئر نے پیش کیا تھا، اب اوباما انتظامیہ اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے سرگرم ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس عمل کی بہر حال مذمت اور مخالفت کی جانی چاہیے۔ (بہ شکریہ روزنامہ 'ایکسپریس' لاہور: ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء)

عالم اسلام

ثروت جمال اصمعی

# دورِ جدید کے چنگیز و ہلاکو

کسی قوم کے لئے اس سے بڑی موت کیا ہوگی کہ تعلیم و تعلّم کے میدان میں قوم کے روحانی باپ اس سے چھین لئے جائیں۔ اس قوم کا مستقبل بڑا ہی تاریک ہے جو علم سے یوں تہی دامن ہو جائے کہ وہاں علم کو پڑھانے اور کتابوں کے سمجھانے والے ذہین دماغ ہی نہ رہیں۔ عالم کی موت دنیا بھر کی موت ہے اور فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق: ''قربِ قیامت علما کے اُٹھا لئے جانے سے دنیا سے علم اُٹھا لیا جائے گا۔ پھر دنیا میں بچ رہنے والے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

آج کی مہذب دنیا میں ایسا ظلم کرنے والوں نے قرونِ وسطیٰ کے چنگیز و ہلاکو کے مظالم کو بھی مات کر دیا ہے، جنہوں نے سقوطِ بغداد کے بعد اتنی کتب جلائی تھی کہ کئی روز دجلہ و فرات کے دریاؤں کی رنگت تبدیل رہی۔ ایک طرف امریکہ اہل اسلام سے یہ ظلم روا رکھتا ہے تو دوسری طرف اپنے فکر و نظریہ کو فروغ دینے کے لئے پاکستان میں مغرب نواز این جی اوز کو اربوں روپے کی امداد سے نوازتا ہے۔ حالیہ کیری لوگر بل کے ذریعے پاکستان میں نام نہاد خواتین حقوق کے لئے سرگرم 'عورت فاؤنڈیشن' کو پونے چار ارب روپے کی امداد عطا کی گئی ہے تاکہ وہ اس طرح پاکستان کے ذہین دماغوں کی خدمات مغربی مفادات اور عالمی ایجنڈے کے فروغ کے لئے حاصل کر سکے۔

مغربی اہداف کی اس تکون کا تیسرا سرا امریکی حکومت کے وہ عالمی اقدامات بھی ہیں جن کے ذریعے آئے روز اسلام کی حقیقی تصویر پیش کرنے اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کو مختلف میدانوں میں خدمات مہیا کرنے والی ملکی اور عالمی اسلامی تنظیموں کو دہشت گردی کا الزام لگا کر ان کے اکاؤنٹس کو منجمد اور خدمات کو منقطع کر دیا جاتا ہے۔ حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ دہشت گرد قرار دی جانے والی بہت سی تنظیموں کا اسلام کی خدمت کے سوا کوئی جرم نہ تھا۔ بہر حال اُمتِ اسلامیہ کو درپیش اس افسوسناک صورتحال کو سمجھنے کے لئے درج ذیل روح فرسا مضمون کا مطالعہ کیجئے جو روزنامہ 'جنگ' کی ۱۰ جنوری ۲۰۱۱ء کی اشاعت میں چھپا ہے۔ ح م

جاہل اور وحشی کہلانے والے چنگیزی لشکروں نے اگر آج سے صدیوں پہلے بغداد کے کتب خانوں کو جلا کر راکھ کر دیا تھا تو دنیا میں علم و ہنر کی روشنی پھیلانے کے دعویدار تہذیب جدید کے امام بھی ان سے پیچھے نہیں بلکہ دو قدم آگے ہی ہیں۔ عراق پر امریکا اور اس کے اتحادی مغربی ملکوں کے قبضے کے فوراً بعد، کتابوں ہی کو نہیں، کتابیں لکھنے اور کتابیں پڑھانے والوں کو بھی صفحۂ ہستی

سے مٹانے کا ایک نہایت منظم سلسلہ شروع ہوا جو اب تک جاری ہے۔ پچھلے سات سالوں میں عراقی یونیورسٹیوں کے سینکڑوں پروفیسر صاحبان اس کا نشانہ بن چکے ہیں اور ہزاروں خوف زدہ ہو کر بیرونِ ملک جا چکے ہیں، مگر اس علم دشمن مہم کی تفصیلات بہت کم ہی سامنے آئی ہیں۔

'بروسلز ٹریبونل' نامی ادارے کی ویب سائٹ پر دنیائے دانش کے ان ڈبو دیئے جانے والے ستاروں کی ایک فہرست موجود ہے جسے حتمی تو نہیں کہا جاسکتا مگر اس میں پچھلے سال کے اَواخر تک تمام دستیاب معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ گزشتہ سال یعنی ۲۰۱۰ء میں بھی مختلف عراقی یونیورسٹیوں کے گیارہ پروفیسر نامعلوم قاتلوں کا نشانہ بنے۔ اس قتل عام کو فرقہ واریت سے نہیں جوڑا جاسکتا۔ عراق پر غاصبانہ قبضہ کرنے والی استعماری طاقتوں کی جانب سے ان واقعات کی روک تھام کی کوئی کوشش کی گئی، نہ ان کے ذمہ داروں کو سامنے لانے کی۔ عراق کی اصل مقتدر قوتوں کا یہ رویہ اس شبہ کی پوری گنجائش فراہم کرتا ہے کہ علم دشمنی کی یہ مہم ان کی مرضی اور منشا کے مطابق بلکہ ممکنہ طور پر ان ہی کی خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھوں چل رہی ہے۔

مغرب کے مین اسٹریم میڈیا میں تو اہل علم و دانش کے اس قتلِ عام کا کوئی خاص ذکر نہیں ہوا کیونکہ اس کا رویہ عموماً سرکاری پالیسیوں کے تابع ہوتا ہے تاہم مغرب کے باضمیر اور انصاف پسند اہل قلم نے جس طرح نائن الیون کی حقیقت سمیت افغانستان اور عراق کے خلاف جھوٹے الزامات کی بنیاد پر سراسر ناجائز فوجی کارروائی کے بہت سے گوشے بے نقاب کئے ہیں، اسی طرح وہ عراق میں ہونے والے اہل علم کے اس قتل عام کے حقائق کو بھی منظر عام پر لانے کے لئے کوشاں ہیں۔ وِکی لیکس کے حالیہ انکشافات نے بھی اس موضوع کو از سر نو گرم کر دیا ہے۔

'فارن پالیسی اِن فوکس' نامی ایک آزاد اور ممتاز امریکی تحقیقی ادارے کی ایک تازہ رپورٹ کے مطابق اعلیٰ تعلیمی اداروں کے اساتذہ کے اس قتل عام کے بارے میں سب سے پہلے اپریل ۲۰۰۴ء میں 'عراقی ایسوسی ایشن آف یونیورسٹی ٹیچرز' کی جانب سے یہ انکشاف کیا گیا کہ امریکی حملے کے بعد سے ایک سال کی مدت میں متعدد جامعات کی مختلف فیکلٹیوں کے سربراہوں سمیت ڈھائی سو سے زیادہ اساتذہ قتل کئے جا چکے ہیں۔

برطانیہ کی 'ٹائمز ہائر ایجوکیشن' نامی تنظیم کی ویب سائٹ پر ۱۰ ستمبر ۲۰۰۴ء کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''عراق کے لوگ قتل کی ان وارداتوں کے محرکات واضح نہیں کرسکتے جن میں بڑا تناسب عمرانی علوم کی فیکلٹیوں کے ارکان کا ہے۔''

بغداد یونیورسٹی میں جیالوجی کے ایک سابق اُستاذ ساحل السنوی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہ ''عراقی سائنس دانوں کو تو دھمکیاں ملا کرتی تھیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ لسانیات کے اساتذہ کو

کیوں قتل کیا جارہا ہے؟"

ممتاز برطانوی صحافی رابرٹ فسک نے ۲۰۰۴ء کے اوائل ہی میں عراقی اساتذہ کے قتل عام کی جانب توجہ دلائی تھی مگر مغربی خصوصاً امریکی میڈیا نے اس کا کوئی قابل ذکر نوٹس نہیں لیا۔ تاہم ۷ دسمبر ۲۰۰۶ء کو ایک معروف برطانوی روزنامے نے "Iraq's universities are in meltdown" کے عنوان سے شائع کی گئی رپورٹ میں بتایا کہ امریکی حملے کے بعد ساڑھے تین سال کی مدت میں ۴۷۰ یونیورسٹی اساتذہ قتل کئے جاچکے ہیں۔ جبکہ برطانیہ ہی کے ایک اور ممتاز اخبار نے ۱۲ دسمبر ۲۰۰۶ء کو "Professors in penury" کے عنوان سے اسی موضوع پر رپورٹ شائع کی۔ اس کی ذیلی سرخی کے الفاظ تھے: "اساتذہ عراق میں یقینی موت سے بچنے کے لئے فرار پر مجبور ہیں مگر برطانیہ میں انہیں انتہائی غیر یقینی زندگی کا سامنا ہے۔ رپورٹ میں انکشاف کیا گیا تھا کہ صرف بغداد اور بصرہ کی یونیورسٹیوں کے پانچ سو کے قریب اساتذہ قتل کئے جاچکے ہیں۔"

'عراق میں ثقافتی صفایا' (Cultural Cleansing in Iraq) نامی کتاب کے مطابق (جس میں عراقی لائبریریوں کے نذرِ آتش کئے جانے، عجائب گھروں کے لوٹے جانے اور اہل علم کے قتل کئے جانے کی روح فرسا تفصیلات بیان کی گئی ہیں) مقتول اساتذہ میں سے ۵۷ فیصد کا تعلق بغداد یونیورسٹی اور ۱۴ فیصد کا بصرہ یونیورسٹی سے تھا جبکہ ۳۵ فیصد اساتذہ سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں گرفتار یا اغوا ہونے کے بعد دورانِ حراست ہلاک ہوئے۔ قتل ہونے والے اساتذہ میں سے ۴۴ فیصد دستی بندوقوں یا خودکار ہتھیاروں کے ذریعے ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنائے گئے۔

'فارن پالیسی اِن فوکس' کی رپورٹ میں اس نہایت معنی خیز بات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے کہ "ان اساتذہ کے قتل کی نہ کسی نے ذمہ داری قبول کی، نہ اس سلسلے میں کوئی گرفتاری عمل میں آئی۔ عراق کے لوگ مارے جانے والوں سے تو براہِ راست واقف ہیں مگر مارنے والوں کو کوئی نہیں جانتا۔" رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اساتذہ کے قتل عام کی اس منظم مہم کے ساتھ ساتھ پوری اساتذہ برادری کو قتل کی دھمکیوں کی وجہ سے ہزاروں عراقی اساتذہ اپنا وطن چھوڑ چکے ہیں۔ پوری دنیا کے لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایسی کوئی سنجیدہ اور شفاف تحقیقات کبھی نہیں کرائی جائے گی کیونکہ انسانیت کے خلاف اس جرم میں اگر عراق پر قابض غاصب قوتیں خود شریک نہ ہوتیں تو یہ سلسلہ یوں بے روک ٹوک جاری ہی کیوں رہتا، اور یقیناً یہی رویہ آج کے دور میں ہلاکو اور چنگیز کی یاد تازہ کردینے والی طاقتوں کے انسانیت سوز جرائم کا سب سے بڑا اور یقینی ثبوت ہے!!

یادِ رفتگاں

مولانا عبدالمجید فردوسی

# مولانا خلیل احمد؛ حالات وخدمات

موت اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار اور فرار نہیں مگر علما کی موت عظیم سانحہ اور الم ناک حادثہ ہے جس کی تکلیف مدت تک محسوس ہوتی ہے۔ ایسے علما میں سے ہی ایک مولانا خلیل احمد تھے جن کی جدائی کا صدمہ تازہ تازہ ہے۔ مرحوم کے احوال اور زندگی کے کوائف حوالۂ قرطاس ہیں تاکہ ان کی یاد تازہ اور تابندہ رہے اور طلبہ اور نونہالانِ ملت استفادہ کر سکیں۔ ع

مرنے والا عزیز مر کر بھی زندہ رہتا ہے نیک یادوں سے

**خاندان، ولادت اور ابتدائی تعلیم:** قیام پاکستان کے وقت آپ کا خاندان موضع سنانہ روپڑ انبالہ ہندوستان سے ہجرت کر کے لیہ پنجاب چک نمبر ۱۲۵ TDA نڑکی میں رہائش پذیر ہوا۔ آپ کے والد صوفی محمد ابراہیم جبکہ دادا کا نام محمد شیخ انصاری تھا۔ ۱۹۴۷ء کے آخر میں خلیل احمد پیدا ہوئے۔ آپ چار بھائی تھے، وہیں دینی تعلیم اور ناظرہ قرآن مجید والد مرحوم سے پڑھا۔ پرائمری تک تعلیم حاصل کی، پھر لیہ شہر گورنمنٹ ہائی سکول میں مڈل کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والد محترم متوسط درجہ کے عالم، تبلیغ کے دلدادہ اور بزرگ علماے کرام کے تربیت یافتہ تھے۔ پنجابی اشعار خوب ازبر تھے۔ کافی عرصہ چوبارہ ضلع لیہ کی جامع مسجد اہل حدیث میں امام وخطیب رہے۔ روپڑی علما کی بہت عزت وتکریم اور ان کی دینی خدمات کا اعتراف کرتے۔

**اوڈانوالہ درس میں داخلہ:** حضرت صوفی محمد عبداللہ (م ۱۹۷۵ء) کے رفیق خادم محترم مولانا یوسف سفیر کے بیٹے مولانا محمد داؤد کے ساتھ اوڈانوالہ آئے۔ ۲۴ جون ۱۹۶۲ء میں مدرسہ میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ نے مندرجہ ذیل اَساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی:

① مولانا محمد شمعون صمیم وہاڑی
② حضرت مولانا عبدالرشید اٹاروی
③ حضرت مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی حفظہ اللہ
④ شیخ الادب حضرت مولانا عبدالصمد رؤف (متوفی ۲۰۰۵ء)
⑤ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد یعقوب ملہوی (م ۱۹۸۱ء/۱۳۸۷ھ)

۱۹۶۷ء میں دورانِ تعلیم ہی دورۂ تفسیر حضرت مولانا محمد یعقوب بن مولانا نور محمد، گوجرہ کے

پاس مکمل کیا اور سند حاصل کی۔

طالب علمی کا دور: آپ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ فہم اور حافظہ سے نوازا تھا، دورانِ تعلیم بہت محنتی، پابند، مطالعۂ کتب کے شائق، علما، اساتذۂ کرام کے فرمانبردار اور مؤدب تھے۔ اَساتذہ بھی آپ کا بہت خیال رکھتے۔ مدرسہ کے قواعد و ضوابط پر عمل درآمد کرتے۔ ۱۷شعبان ۱۳۸۸ھ بمطابق ۸ نومبر ۱۹۶۸ء بروز جمعۃ المبارک کو آپ نے سندِ فراغت حاصل کی۔

آغاز تدریس: علومِ اسلامی خصوصاً علم حدیث میں مزید پختگی حاصل کرنے کے لیے جامعہ اسلامیہ، آبادی حاکم رائے گوجرانوالہ میں داخلہ کا پروگرام بنایا جہاں حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی تفسیر، حدیث کا درس دیتے تھے۔ آپ کے ساتھ مولانا عبدالغفور، مولانا رفیع الدین فردوسی اور راقم الحروف عبدالمجید فردوسی بھی تھے۔ نصابی کتب حاصل کر لیں۔ حضرت مولانا ابوالبرکات احمد مدارسی کے قیمتی نصائح سے مستفید ہوئے، اسی دوران حضرت الاستاذ مولانا محمد یعقوب ملهوی اوڈانوالہ سے گوجرانوالہ تشریف لائے اور راقم الحروف اور مولانا خلیل احمد کو اوڈانوالہ لے آئے۔ جدید نظم ونسق کی تشکیل کے مراحل میں انہیں بھی مدرسے میں اُستاد مقرر کر دیا گیا۔ یہ ۱۸شوال المکرّم ۱۳۸۸ھ بمطابق ۸جنوری ۱۹۶۹ء بروز بدھ کی بات ہے۔ ۷۵روپے وظیفہ مقرر کیا گیا اور استاد صاحب نے فرمایا کہ جب میں نے ۱۹۴۶ء میں پڑھانا شروع کیا تھا، میری تنخواہ چالیس روپے تھی۔ اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی کی ابتدا میں تنخواہ ۱۸روپے اور ایک من گندم تھی، جب گندم کا ڈیڑھ روپے فی من ریٹ تھا۔ مولانا خلیل احمد صاحب اس دن سے لے کر تا وفات اوڈانوالہ مدرسہ میں بطورِ مدرّس مقیم رہے اور مدرسہ سے وفاداری کا حق ادا کر دیا۔

اندازِ تدریس: اَسباق کا مطالعہ کرتے، پوری تیاری سے پڑھاتے، ابتدائی کتابیں شروع کیں اور انتہائی کتب تک تدریس کی مسند سنبھالی۔ قدرت نے حافظہ، ذوق، شوق اور خلوص سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا، طلبہ کو ہر طرح سے مطمئن کرتے۔ اسباق اور حدیث کی عبارت سنتے۔ اعرابی اغلاط کی اصلاح کرتے۔ کسی مسئلے میں حوالے کی ضرورت ہوتی تو کتاب منگوا کر تحقیق کرتے۔ مسلک اہل حدیث سے محبت اور کتاب وسنت کے دلائل بڑی خوش اُسلوبی واضح کرتے۔ طلبہ کے ساتھ مشفقانہ رویہ رکھتے۔ اساتذہ، علما اور مصنّفینِ کتب کا ذکر احترام سے کرتے۔ ضروری بات طلبہ کو نوٹ کرنے کی تلقین کرتے۔ یہی تصور جا گزیں تھا اور جس کی تلقین کرتے کہ!

لو جان بیچ کر بھی جو علم و ہنر ملے
جس سے ملے جہاں سے ملے جس قدر ملے

کتابوں کے حوالے اور بعض ضروری، مفید نوٹ شروع کتاب میں درج کرتے۔ اِصلاحات حواشی میں لکھتے۔ علمی تاریخی اور ضروری معلومات بحوالہ کتاب مع جلد اور صفحہ ڈائری میں لکھتے۔

اُمورِ طلبہ کی نگرانی: طلبہ کے علاج، لباس، خوراک اور رہائش کا انتظام آپ کے ذمے تھا۔ اس خدمت کو بڑی ذمہ داری اور خوشی سے نبھاتے رہے۔ طلبہ کے ذاتی معاملات اور مسائل میں ان کی مناسب رہنمائی کرتے۔ ادارہ میں تقریب، اجتماع اور جلسہ میں مطبخ اور مہمانی کے فرائض بھی آپ کے ذمہ ہوتے جسے خوش اُسلوبی سے اَدا کرتے، عموماً ہر سال فارغ ہونے والے طلبہ کی دعوت کرتے۔

خطابت: آپ سادہ، عام فہم، قرآن وحدیث سے مدلّل پنجابی اشعار سے مزین خطاب کرتے۔ گاؤں کے احباب اور ارد گرد کے دینی ساتھیوں سے گہرا تعلق اور ربط رکھتے۔ شادی اور غمی میں شریک ہوتے اور مناسب حد تک معاون بنتے۔ موقع کی مناسبت سے ہلکی پھلکی شاعری کر لیتے۔ گذشتہ دنوں سند کی اہمیت پر جامعہ محمدیہ، لوکو ورکشاپ، لاہور میں مقالہ بزبانِ عربی پیش کیا۔

شادی: ۱۹۷۰ء میں آپ کی شادی ہوئی۔ تین بیٹے اور سات بیٹیاں ہیں جن میں سے چار شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ بڑا بیٹا عالم دین ہے۔ مولوی عطاء الرحمٰن جو کہ اوڈانوالہ سے فارغ التحصیل ہیں اور جامعہ تعلیم القرآن سمندری میں ۱۲ سال مدرّس اور منتظم رہے اور اب اُنہیں دارالعلوم اوڈانوالہ میں اُستاذ مقرر کر دیا گیا ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے صاحبِ اولاد ہیں۔ مولانا مرحوم کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالوہاب جامع مسجد اہلحدیث لیہ میں امام وخطیب ہیں۔

اَسناد: مولانا کے پاس اوڈانوالہ مدرسہ اور مولانا محمد یعقوب ملہوی کی ذاتی اسناد تھیں۔ گوجرہ میں دورہ تفسیر کیا، وفاق المدارس کی العالمیہ کی سند پر لاہور میں ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء میں تعلیم اللغة العربية والثقافة الإسلامية کے عنوان سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے دوماہ کی ورکشاپ منعقد کرائی، اس میں بھی شریک ہوئے اور سند حاصل کی۔

آپ کے شاگرد: دارالعلوم تقویۃ الاسلام اوڈانوالہ، ضلع فیصل آباد میں مولانا نے ۴۳، ۴۲ سال بطورِ مدرّس خدمات سر انجام دیں۔ کثیر تعداد میں طلبہ آپ سے مستفید ہوئے جو مرحوم کے لیے صدقہ جاریہ ہیں اور ملک کے اطراف واکناف میں دین اسلام کی خدمت اور علومِ اسلامیہ کی ترویج کر رہے ہیں۔

ذاتی کتب خانہ: دینی اور نصابی کتابیں، علما اور مدرّسین کا زیور اور اسلحہ ہیں۔ یہ زندگی میں بہترین اور بے ضرر ساتھی ہیں۔ مولانا کے پاس ذاتی کتب خانہ تھا جس میں تفسیر، حدیث، سیرت، فقہ، تاریخ اور اَحکام کی وقیع اور معتبر کتب جمع کیں اور مستقل الماریوں میں عمدہ سلیقے اور مرتب انداز میں محفوظ کیا۔ اَحادیث کے حوالے خوب اَزبر تھے۔

مہمان نوازی: نرم طبیعت، دل نشین اندازِ گفتگو اور محبت و اُلفت سے سرشار دل رکھتے تھے۔ ہمسایوں، رشتہ داروں اور تعلق داروں کے دکھ درد اور خوشی غمی میں شریک ہوتے۔ ہر مہمان کی خاطر مدارت کرتے۔ ہلکا پھلکا مزاح اور خوش طبعی سے شاداں اور فرحاں رہتے اور ساتھیوں کو بھی

رکھتے۔ آپ قناعت اور سادگی میں بہت سے لوگوں کے لئے بہترین مثال تھے۔

امانت و دیانت: ذاتی ڈائری میں اکثر آمد و خرچ کا حساب لکھتے۔ خصوصاً مدرسہ اور طلبہ کی ہر چیز کا اِندراج کرتے۔ امانت کی حفاظت اور اس کی کماحقہ ادائیگی کرتے۔ تعاون مدرسہ / چندہ کا مکمل حساب بر وقت جمع کرواتے۔ بیرونی سفیروں، محتاجوں اور حاجت مندوں کے لیے تعاون کی مؤثر اپیل کرتے۔ کسی کی تکلیف اور صدمہ سے بے چین ہوتے اور اس کی دل جوئی کرتے کیونکہ ؏

نہ ہو جس دل میں دردِ قوم وہ بھی کوئی دل ہے
نہیں وہ دل نہیں بے درد کے سینہ میں اِک سل ہے

علالت اور سفر آخرت: ہرنیا کا کئی دفعہ آپریشن ہوا، گزشتہ سال بائیں جانب فالج کا حملہ ہوا جس سے آپ کو شفا ہوگئی۔ جگر کی تکلیف ہوئی جس کا علاج جاری تھا کہ دوبارہ فالج کی تکلیف ہوگئی۔ چند دن عزیز فاطمہ ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء بروز جمعرات گھر واپس آگئے۔ علاج جاری رہا، کمزوری بہت ہوگئی۔ کچھ طبیعت سنبھل رہی تھی کہ اَچانک ۲۴ فروری ۲۰۱۱ء بمطابق ۲۰ ربیع الاوّل ۱۴۳۲ھ بروز جمعرات صبح پانچ بجے آخری وقت آن پہنچا۔ معمولی سی ہچکی آئی اور کھچاؤ پیدا ہوا کہ روح پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اسی دن عصر کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ مولانا حافظ محمد امین نے پڑھائی۔ یہ جنازہ واقعی مثالی تھا۔ دور دور سے علما، طلبا، احبابِ جماعت اور واقف حضرات شامل ہوئے۔ رشتہ دار بھی بروقت پہنچ گئے۔ مغرب سے پہلے آپ کے جسد خاکی کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

درخواستِ دعا: علما کرام، عزیز طلبا اور محترم قارئین سے اپیل ہے کہ مولانا مرحوم کی مغفرت اور بلندئ درجات کی دعا کریں۔ ان کی خدمات اور حسنات کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ان کی بشری لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ ادارہ کو ان کا نعم البدل عنایت فرمائے اور ورثا خصوصاً مولانا عطاء الرحمن کو اللہ تعالیٰ مرحوم کا حقیقی جانشین بنائے اور سب لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے!

مضى صاحبي واستقبل الدهر مصرعي
ولا بد أن القى حمامي فاصرعا

''میرا ساتھی چلتا بنا، اب زمانہ میری موت کے درپے ہے۔ میری موت کا آنا بھی یقینی ہے اور مجھے گرا دیا جائے گا۔''

سپاسِ تعزیت از ادارہ اور اہل خانہ: مولانا خلیل احمد کی تیمار داری اور تعزیت کرنے والے تمام علما، طلبا اور اہل اسلام کا ہم دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس حوصلہ افزائی پر ادارہ اور مولانا مرحوم کے اہل خانہ ان کے ممنون ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو جزاے خیر اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین!

www.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol.43 No.5

Monthly MUHADDIS Lahore

5866476
5866396

☜ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظرانداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700